دکنی شاعری

تحقیق و تنقید

ڈاکٹر محمد علی اثر

ریڈر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد

زیر اہتمام : راحت سلطانہ ایم۔اے۔ (جامعہ عثمانیہ)

ناشر : محمد علی اثر

پہلی بار : جنوری ۱۹۸۸ء

طباعت : دائرہ الکٹرک پریس چھتہ بازار حیدرآباد

کتابت : محمد اقبال

تعداد : چھ سو

قیمت : مجلد پچیس روپے غیر مجلد بیس روپے

ملنے کے پتے :-

۱ : مصنف "کاشانہ اثر" 9/6 22-4-20 چوک، حیدرآباد ۲۔

۲ : الیاس ٹریڈرس۔ شاہ علی بنڈہ روڈ، حیدرآباد-۲

۳ : حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان۔ حیدرآباد-۲

۴ : اسٹوڈنٹس بک ہاؤس۔ چار مینار۔ حیدرآباد-۲

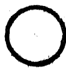


انتساب

اپنے محترم اساتذہ

پروفیسر مغنی تبسم اور پروفیسر یوسف سرمست کے نام

محمد علی اثر







تعارف

پیش نظر کتاب مجموعہ ہے ڈاکٹر محمد علی اثر کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا، جو انہوں نے دکنی شاعری کے مختلف موضوعات پر تحریر کیے ہیں۔ ڈاکٹر اثر گذشتہ ایک دہے سے قدیم دکنی شاعری کے سمندر کی غواصی میں سرگرداں ہیں، اور اس دوران میں انھوں نے اپنی کاوشوں سے دکنیات میں قابل لحاظ اضافہ کیا ہے۔ ان کی بعض کتابوں کو دکنی کے مستند ماخذوں کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ ملک کی دوسری زبانوں میں ان کے تراجم ہوئے ہیں، اور ملک کے باہر بھی ان کی مانگ ہے، اور وہاں ان کے نئے ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔

زیر نظر مجموعہ میں بارہ مضامین شامل ہیں، جو محمد قلی اور وجہی سے لے کر سراج تک مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ تحقیقی مضامین میں غواصی اور ہاشمی جیسے اساتذہ سخن کا نایاب کلام، جو پہلی بار منظر عام پر آرہا ہے، خاصے کی چیز ہے۔ قدیم اردو کا ہر محقق دلچسپی اور توجہ کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے گا۔ نشاطی، حسن شوقی، ایاغی اور قدرتی کے متون بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ تنقیدی مضامین میں ڈاکٹر اثر نے دکنی کے بعض نامور شعرا کے کلام کا نئی جہتوں سے جائزہ لیا ہے۔ یہ مضامین عہد حاضر میں، قدیم اردو کے ان بلند پایہ فن کاروں کی تحسین میں معاون ہوں گے۔

مجھے یقین ہے کہ قدیم اردو شاعری کے ناقد اور سخن شناس ڈاکٹر محمد علی اثر کی ان کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

پروفیسر غلام عمر خاں
سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی و
آندھرا پردیش اوپن یونیورسٹی حیدرآباد

سمن زار۔ اکبر باغ
حیدرآباد۔ ۵۰۰۰۳۶

پیش لفظ

برعظیم پاک وہند کی علمی وتہذیبی تاریخ میں دکن کو کئی امتیاز حاصل ہیں۔ لسانی اور ادبی حوالہ سے اس کا یہ اعزاز کچھ کم نہیں کہ یہ اردو زبان وادب کا اولین مرکز بنا۔ اور اس کے اثرات شمالی ہند تک پہنچے اور شمالی ہند بھی اردو شعر وادب کی تخلیق سے سرفراز ہونے لگا۔ پھر اردو تحقیق کے رشتہ سے دکن کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کا مستقل آغاز یہیں سے ہوا۔

دراصل اس روایت کی ابتداء مولوی عبدالحق اور شمس اللہ قادری نے کی تھی، جسے محی الدین قادری زورؔ، عبدالقادر سروری، نصیرالدین ہاشمی اور سید محمد نے پروان چڑھایا اور ترقی دی۔ ان کی اعلیٰ تحقیقی کاوشوں سے اردو زبان وادب کے نامعلوم گوشے سامنے آئے اور گم شدہ اوراق مرتب ہوئے۔ پھر یہ اعزاز بھی دکن ہی کو حاصل ہوا کہ جس قدر محققین دکنی ادب کو میسر آئے اور جو تحقیقی کاوشیں اس کی تلاش وترتیب کے ضمن میں کی گئیں ـــــ وہ شاید کسی اور دبستان کی حد تک اس قدر نہ ہو سکیں۔ اور اس روایت کا آغاز مذکورہ بزرگ محققوں نے اپنے وقتوں میں کیا تھا، اس کو مستقل پیش رفت دینے والے بعد کے دکنی محققین کی ایک بڑی تعداد ادبی تحقیق اور خصوصاً دکنی ادب کی تحقیق وتاریخ میں ایک مستقل اہمیت کی حامل بنی۔ مسعود حسین خاں، غلام عمر خاں، حفیظ قتیل، محمد اکبرالدین صدیقی، رفیعہ سلطانہ

حسینی شاہد، زینت ساجدہ، تمینہ شوکت، سیدہ جعفر جیسے ناموں اور ان کے تحقیقی کاموں کو اردو تحقیق کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ لیکن یہ سلسلہ یہیں اور انہی ناموں پر ختم نہیں ہوتا۔ آج بھی دکنیات کو ایسے نوجوان محقق مل گئے ہیں ـــــ جو اپنے بزرگوں کی قائم کی ہوئی روایتوں پر مستقل مزاجی، دقتِ نظر اور تندہی سے مصروفِ تحقیق ہیں۔

محمد علی اثر بھی ایسے ہی نوجوان اور معاصر محققِ دکنیات ہیں، جو اپنی دید و دریافت اور تلاش و تحقیق کے باعث اردو تحقیق کے دبستانِ دکن کے عہدِ موجودہ کو اپنی تحقیقی مساعی سے نئی جہات دینے اور تازہ انکشافات میں مصروف ہیں۔ ان کی سابقہ کاوشوں: "غواصی، شخصیت اور فن" "دبستان گولکنڈہ ـ ادب اور کلچر" "دکنی اور دکنیات" "دکنی کی تین مثنویاں" اور ان کی شراکتی کاوش "فہرستِ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد ششم)" نے جہاں دکنی تحقیقات کے لیے مزید در وا کیے ہیں، ان کا مبسوط تحقیقی مقالہ "دکنی غزل کی نشو و نما" ـــــ انہیں اردو تحقیق کے دبستانِ دکن میں ایک مستقل حیثیت اور مقام دلانے کے لیے کافی ہے۔

ان کاوشوں سے قطع نظر ـــــ ان کے تحقیقی مقالات کا زیرِ نظر مجموعہ "دکنی شاعری، تحقیق و تنقید" چند مزید دریافتوں اور نئے گوشوں کو سامنے لا رہا ہے۔ ان مقالات کے توسط سے اگر ایک طرف اردو ادب کے دکنی دور اور دکنی ادب پر تحقیقی کام کے متعلق مفید اور نئی معلومات یکجا ہو رہی ہیں، تو دوسری طرف بعض اہم اور غیر مطبوعہ متون بھی پہلی بار سامنے آ رہے ہیں۔ ان سے جہاں غواصی، وجہی، حسن شوقی، شاہ عالم، شغلی، محمد امین الدین ایاغی، فدوی خاں فدوی کے متون کی تکمیل و تدوین میں مدد ملے گی، وہیں ان کے اور ہاشمی بیجاپوری، محمد قلی، اور پھر دکنی مراثی پر ترتیبِ معلومات میں معاونت حاصل ہو سکے گی۔

ان دریافتوں اور کاوشوں کے لیے اردو تحقیق ——— اور خصوصاً اس کا دبستان دکن ڈاکٹر محمد علی اثر کا ممنون رہے گا۔ ان کی ایسی دریافتوں سے اور تلاش وجستجو کی بدولت ——— کچھ عجب نہیں کہ اردو تحقیق کے دبستانِ دکن کا یہ دور آئندہ خود ان کے نام اور ان کی نمائندگی سے بھی موسوم ہو جائے۔

(ڈاکٹر) معین الدین عقیل
مہمان پروفیسر اردو
دیپارتی منتو دی استدی ایشیاتیچی
استی توتو یونیورستیاریو اوریئنتالے
ناپولی - اتالی (اٹلی)

حرفِ آغاز

پیشِ نظر کتاب، دکنی ادب سے متعلق، ان تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جو میں نے گزشتہ دس بارہ سال میں، مختلف اوقات میں تحریر کیے ہیں ان میں سے بیشتر مضامین ہند و پاک کے علمی و ادبی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ کتابی صورت میں پیش کرتے ہوئے بعض مضامین پر نظرِ ثانی بھی کی گئی ہے۔

پہلے مضمون میں، اردو ادب کے دکنی دور کا سماجی اور تمدنی پس منظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرے مضمون میں دکنی ادب سے متعلق تحقیقی و تنقیدی کاوشوں پر اجمالی طور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تیسرے مضمون میں غواصی کی غیر مطبوعہ غزلیں تدوینِ متن کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلہ میں دکنی شاعری کی ایک مقبول صنف "پیالہ" پر پہلی بار روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مضمون میں غواصی کے کلام کی داخلی شہادتوں کی مدد سے، اس کے واقعاتِ حیات کے چند نئے گوشے منظرِ عام پر لائے گئے ہیں۔

چوتھے اور پانچویں مضمون میں محمد قلی اور وجہی کی غزل گوئی کی خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ چھٹا، ساتواں اور آٹھواں مضمون، حسن شوقی، اشغلی اور ایاغی کی غیر مطبوعہ غزلوں پر مشتمل ہے۔

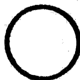
فدوی اورنگ آبادی، ولی کا ہم عصر اور دکنی کا ایک غیر معروف لیکن خوش گو شاعر ہے۔ نویں مضمون میں، فدوی کا تعارف کروایا گیا ہے اور اس کے واحد اور نایاب قلمی دیوان سے چند غزلیں، تدوینِ متن کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ دسواں مضمون سراج کی شاعری سے متعلق ہے۔

گیارھویں مضمون میں ہاشمی بیجاپوری کے دو طویل غیر مطبوعہ قصیدے پیش کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہاشمی کے حالاتِ زندگی پر نئی معلومات بھی یکجا کی گئی ہیں۔ بارھویں اور آخری مضمون میں دکنی کے چند غیر مطبوعہ مرثیوں کو مرتب و مدوّن کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا "تعارف" استادِ محترم پروفیسر غلام عمر خاں صاحب سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی و آندھرا پردیش اوپن یونی ورسٹی نے تحریر فرمایا ہے جس کے لیے میں موصوف کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔ برادر محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل، تہران پروفیسر پیپلز (اٹلی) کا بھی میں ممنون کرم ہوں جنھوں نے ازراہِ عنایت اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ ڈاکٹر سید محمود قادری، پروفیسر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ نے ہاشمی کے قصائد کے متن کو کھولنے میں میرے ساتھ تعاون کیا ہے جس کے لیے میں موصوف کا ممنون ہوں۔

محمد علی اثر

"کاشانہ اثر"
۲۰-۴-۲۲۶/۹
چوک حیدرآباد۔ ۲



اردو ادب کا دکنی دور

اردو ادب کا قدیم دور جسے دکنی دور بھی کہا جاتا ہے، کم و بیش چار صدیوں پر محیط ہے۔ اس دور کو سہولت کی خاطر مزید تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) بہمنی دور (۱۳۵۰ء۔ ۱۵۲۵ء) (۲) عادل شاہی دور (۱۴۹۰۔ ۱۶۸۶ء) اور

(۳) قطب شاہی دور (۱۵۰۸ء۔ ۱۶۸۷ء)

۱۔ بہمنی دور (۱۳۵۰ء۔ ۱۵۲۵ء) علاالدین خلجی پہلا مسلمان بادشاہ تھا، جس کی فوجیں سب سے پہلے جنوبی ہند پہنچیں۔ یہ تیرہویں صدی عیسوی کا واقعہ ہے۔ شمالی ہند کے فوجی، صوفی فقیر، تاجر اور اہل ہنر اپنے ساتھ وہ ملی جلی زبان بھی دکن لے آئے تھے جو ابھی ابتدائی حالت میں تھی۔ دوسرا اہم واقعہ جس کی وجہ سے جنوبی ہند میں اردو کے پھیلنے میں مدد ملی، چودھویں صدی میں پیش آیا۔ جب محمد تغلق نے دہلی کے بجائے دولت آباد (دیوگیری) کو اپنا پایۂ تخت بنایا اور حکم جاری کیا کہ دہلی کی ساری آبادی، دولت آباد منتقل ہو جائے۔ بادشاہ وقت کے حکم پر دہلی کے لوگ، امیر غریب، امرا، شرفا، پیشہ ور ارباب ہنر سب کے سب جنوبی ہند کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے اس واقعہ کی حیثیت جو بھی ہو، تشکیل زبان کے لحاظ سے یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ چودھویں صدی کے ربع دوم میں جب تغلق بادشاہ کمزور ہو گئے تو جنوبی ہند میں پھر ایک بار جان آگئی اور وہ آہستہ آہستہ مرکز سے دور ہونے لگا یہاں تک کہ ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کے نام سے دکن میں ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ اس نئی حکومت کا بانی ایک ایسا بادشاہ تھا، جس نے دہلی کے شہنشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ شمال دشمنی کی وجہ سے وہ ترک ہونے کے باوجود خود کو دکنی کہنا قابل فخر سمجھتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس نئی سلطنت کی بنیاد میں شمالی ہند کے رجحانات و روایات سے انحراف کے جذبات نشوونما پانے لگے۔ شمالی ہند، ایرانی اور عربی کلچر سے متاثر تھا مگر دکن اُس سے بڑی حد تک مبرّا تھا۔ بہمنوں نے سیاسی لائحہ عمل کے طور پر سرزمین دکن کے تعلق سے ان تمام مقامی عناصر کو اُبھارا، جو شمال سے مختلف تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی زبانوں، رسوم و رواج اور رہن سہن کے طور طریقوں، میلوں ٹھیلوں اور تہواروں کی خوب حوصلہ افزائی کی جانے لگی۔

اُردو زبان کا آغاز ۱۱۰۰ء لگ بھگ شمالی ہند میں ہوا۔ صوفی فقرا اور مذہبی رہنماؤں کے اقوال، فقرے اور جملے اُردو کے ابتدائی نمونے سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اس وقت تک شمالی ہند میں باضابطہ کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ جب اُردو دکن پہنچتی ہے تو اس میں تصنیف و تالیف کے کام کا آغاز بھی ہوتا ہے اور ادب بھی تخلیق کیا جاتا ہے۔

بہمنی عہد حکومت میں دکن کے علاقے پر تین بڑی زبانیں تلگو، کنڑی اور مرہٹی بولنے والے لوگ آباد تھے۔ دوسرے الفاظ میں یہ علاقہ تلنگانہ، کرناٹک اور مہاراشٹرا کے علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ ان علاقوں کے باشندے تمدّنی اعتبار سے مختلف رسم و رواج کے عادی تھے۔ بہمنی سلاطین نے پہلی بار جنوبی ہند میں بسنے والی چھوٹی چھوٹی قوموں کو، جو آپس میں برسرِ پیکار رہتی تھیں، ایک شیرازے میں منسلک کرنے کی کامیاب مہم چلائی۔ ان میں قومی اتحاد، میل جول اور بھائی چارگی کے جذبات کو اُبھارا۔ سماجی مساوات اور انسانی اخوت کے عظیم تصورات، جو اسلام کی بنیادی تعلیمات ہیں۔ ان کی، جنوبی ہند میں بسنے والی اقوام میں اشاعت کی اور اس پس ماندہ علاقے میں علوم و فنون کی روشنی پھیلائی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ شمالی ہند میں بدامنی اور انتشار پھیلا ہوا تھا، دکن میں بہمنی بادشاہوں نے ایک مستحکم اور پرامن مملکت کی بنیادیں رکھیں۔ اس طرح جنوبی ہند کا علاقہ ہندستان کے علاوہ دوسرے ملکوں کے عالموں اور فن کاروں کے لیے بھی کشش کا باعث بن گیا۔ چنانچہ دور دراز ممالک کے علما، فضلا

اوراہل ہنر قدردانی کی امید میں دکن آنے لگے۔ بہمنی بادشاہوں نے ہر علاقے کے ارباب علم و ہنر کی دل کھول کر سرپرستی کی اور صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی تمدّن کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کے مشہور اور علم دوست بادشاہ فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں دکن کا علاقہ اپنے بین الاقوامی تمدّن کے لیے غیر معمولی شہرت اختیار کر گیا۔ اس بادشاہ نے اپنی مملکت میں بسنے والے تمام طبقات کے مابین قومی یگانگت اور بھائی چارگی کے جذبات ابھارنے کی کامیاب تحریک چلائی۔ سرزمین دکن میں بہمنی سلاطین نے ملے جلے کلچر کو فروغ دینے کی جس مہم کا آغاز کیا تھا اس کا تسلسل اور ارتقا قطب شاہی اور عادل شاہی عہد میں جاری رہا۔

بہمنی سلاطین نے باہمی اتحاد میل جول اور معاشرت اور تمدن کو مستحکم کرنے کے لیے مقامی روایات اور دیسی رسوم و رواج کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی زبان کی سرپرستی کی جو مختلف طبقوں اور علاقوں کے درمیان ربط ضبط اور معاملات معاشرت کا ذریعہ بن سکے۔ اس مقصد کے لیے دکنی یا قدیم اردو ہی ایک ایسی زبان تھی جس نے مقامی اثرات کو تیزی سے اپنا کر بین الاقوامی زبان کی حیثیت حاصل کر لی تھی۔

خواجہ بندہ نوازؒ : فیروز شاہ بہمنی کے دور میں اپنے وقت کے ممتاز اور سربلند صوفی سید محمد حسینی گیسو درازؒ دہلی سے گلبرگہ تشریف لائے۔ گیسو درازؒ دلی کے مشہور صوفی نظام الدین اولیاؒ کے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے سب سے اہم شاگرد اور خلیفہ تھے۔ ان کے معتقدین کی تعداد شمالی ہند میں بہت زیادہ تھی لیکن وہ اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ۱۳۹۹ء کے قریب گلبرگہ چلے آئے اور وہیں رہ گئے۔ دکن کے عوام و خواص نے خواجہؒ صاحب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ فیروز شاہ بہمنی نے ان کا استقبال کیا اور قدردانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ خواجہؒ صاحب کے معتقدین کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی۔ آپؒ کے ارشادات سے فیض یاب ہونے کے لیے بے شمار لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ عام لوگوں کے لیے خواجہ صاحبؒ اپنے درس قدیم اردو یا دکنی زبان میں دیا کرتے تھے۔ انہیں

کی آسانی کے لیے اس زبان میں انہوں نے تصنیف و تالیف کا کام بھی انجام دیا۔ لیکن قطعی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قدیم اردو یا دکنی میں ان کی کتنی تصنیفات ہیں۔ کوئی پچاس برس پہلے ان کی ایک کتاب "معراج العاشقین" منظر عام پر آئی تھی۔ جسے اردو کی پہلی نثری کتاب مان کر شائع کیا گیا تھا لیکن بعض علما کو اس میں شک ہے کہ یہ خود بندہ نوازؒ کی تصنیف ہے۔ بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کسی اور صوفی کی کتاب ہے جو بندہ نوازؒ سے منسوب ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ نظم و نثر میں ان کی چند چھوٹی چھوٹی اور کتابیں "شکار نامہ" "چکی نامہ" وغیرہ دستیاب ہوتی ہیں لیکن کسی کی نسبت قطعی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ انہیں کی تصنیف ہے۔

فخر دین نظامی : بہمنی دور کی سب سے پہلی ادبی تصنیف نظامی بیدری کی مثنوی "کدم راؤ پدم راؤ" ہے۔ یہ مثنوی بہمنی خاندان کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی (۱۴۲۱ء۔ ۱۴۳۵ء) کے زمانے میں لکھی گئی۔ "کدم راؤ پدم راؤ" ساڑھے پانچ سو سال قدیم مثنوی ہے۔ اس لیے اس کی زبان بہت مشکل ہے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس مثنوی کا اصل نام کیا تھا۔ اس کے دو مرکزی کرداروں کے نام کی مناسبت سے اسے "کدم راؤ پدم راؤ" کا نام دے دیا گیا ہے۔ مثنوی کی عام ہیئت کے مطابق حمد، نعت اور مدح سلطان کے بعد اصل قصہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثنوی کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نظامی ایک قادرالکلام شاعر ہے جس نے اپنی مثنوی میں ضرب الامثال اور محاورے کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ اس مثنوی کو اردو زبان کی تاریخ میں اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے کہ یہ اردو زبان کا اولین ادبی نمونہ ہے۔ اس سے قبل کی جو تحریریں دستیاب ہوئی ہیں، جن میں حضرت بندہ نوازؒ کا کلام بھی شامل ہے، وہ مذہبی نوعیت کی تحریریں ہیں۔ "کدم راؤ پدم راؤ" کے واقعات اور کردار بالکلیہ ادبی نوعیت کے ہیں۔

میراں جی شمس العشاق : بہمنی عہد کے ایک بہت بڑے صوفی اور شاعر شاہ

میراں جی شمس العشاق ہیں، جو حاجی دوام الدین کے صاحبزادے اور شاہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے۔ شمس العشاق خواجہ بندہ نواز کے سلسلۂ صوفیا میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی طرح قدیم اردو یا دکنی میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا جس کے مطالعہ سے اس عہد کی زبان کے متعلق اہم معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ میراں جی کی اردو تصانیف میں مغز مرغوب، شہادت التحقیق، خوش نامہ اور خوش نغز مشتہار اور اہم ہیں۔ میراں جی کی سبھی تصانیف کا موضوع تصوف ہے۔ انہوں نے بیجاپور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔

اشرف بیابانی بہمنی دور کے مشاہیر شعرا میں سید شاہ اشرف بیابانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ سید شاہ ضیاء الدین بیابانی کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے خلافت پائی اور ۱۵۰۳ء میں ان کے جادہ نشین ہوئے۔ اشرف بیابانی کی تین تصانیف کا پتا چلتا ہے۔ ۱۔ نوسرہار ۲۔ لازم المبتدی اور ۳۔ خالق باری۔

نوسرہار (۱۵۰۳ء) اشرف بیابانی کی سب سے اہم تصنیف ہے یہ مثنوی نو بابوں میں منقسم ہے اس کا ہر باب گویا ایک انمول ہار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام نوسرہار تجویز کیا گیا ہے۔ نوسرہار کا موضوع شہادت امام حسینؓ اور واقعۂ کربلا ہے۔ مثنوی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مجلسوں میں سنانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ اسی لیے اس میں بول چال کی سیدھی سادی اور عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔

لازم المبتدی ایک مختصر نظم ہے جس میں مختلف مذہبی مسائل کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ واحد باری عربی، فارسی اور اردو کی ایک منظوم لغت ہے جو امیر خسرو کی منظوم لغت کی طرز پر لکھی گئی ہے

قطب دین قادری فیروز

بہمنی عہد کے آخری زمانے میں، فیروز نے ایک

باکمال شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی تھی۔ اس کی تصانیف میں ایک مختصر "مثنوی پرت نامہ" کے علاوہ چند غزلوں کا پتا چلتا ہے۔ یہ مثنوی فیروز نے اپنے پیرو مرشد شیخ محمد ابراہیم مخدوم جی (متوفی ۱۴۷۳ء / ۵۶۵ھ) کی مدح میں لکھی ہے۔ بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد فیروز گولکنڈہ چلا آیا تھا۔ گولکنڈہ آنے کے بعد فیروز کو شاعر اور استاد سخن کی حیثیت سے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ گولکنڈہ کے شعرا وجہی، محمد قلی اور ابن نشاطی نے اپنے کلام میں جس انداز سے فیروز کا تذکرہ کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ ان شاعروں نے فیروز کے آگے زانوے ادب تہہ کیا ہے

بہمنی دور کے دیگر شعرا میں قریشی، مشتاق اور لطفی کے نام قابل ذکر ہیں اول الذکر شاعر کی جنسیات کے موضوع پر ایک مثنوی "بھوگ بل" ملتی ہے اور آخر الذکر شعرا کی چند غزلیں اور قصائد کا پتا چلتا ہے۔

بقول ڈاکٹر جمیل جالبی "بہمنی دور میں اردو چاروں طرف پھیل کر دکن کی سب سے بڑی اور واحد مشترک زبان بن جاتی ہے اور اس عظیم سلطنت کے مختلف علاقوں میں ایک ایسا سازگار ماحول پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ دور میں ادبی تخلیق کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ جو بیج اس دور میں پھوٹ کر پیڑ بنا اس کے پھل ان سلطنتوں نے کھائے جو بہمنی سلطنت کی جانشین تھیں عادل شاہی اور قطب شاہی، باقی تینوں سلطنتوں کے جوہر اپنے دامن میں سمیٹ کر دکنی ادب کی نمائندہ بن جاتی ہیں۔ بہمنی دور میں گجرات کی طرح ہندوی روایت کی ہی توسیع ہوتی ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان و تہذیب کے اثرات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ نظامی خالص ہندوی روایت کا ترجمان ہے۔ میراں جی کے ہاں فارسی طرز احساس اور تہذیب و زبان کے اثرات بڑھ جاتے ہیں۔ اشرف بیابانی کے ہاں یہ اثرات ذخیرہ الفاظ، آہنگ اور انداز بیان کی سطح پر اور

زیادہ ہو جاتے ہیں۔ عادل شاہی دور میں یہ اثرات اور گہرے ہو جاتے ہیں اور اسی لیے اس دور کی زبان بہمنی دور کے مقابلے میں زبان و بیان کے جدید دائرے سے قریب تر ہو جاتی ہے یہ دور ساری دنیا میں بادشاہوں، سلاطین، شہزادوں اور امرا کا وقت سارے علمی و ادبی، تہذیبی و معاشرتی ترقیاں انہی سے وابستہ ہیں۔ جو چیز بادشاہ پسند کرتا ہے سارا معاشرہ اسے پسند کرتا ہے۔[1]

عادل شاہی دور

پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب بہمنی سلطنت کو زوال ہوا تو، اس مملکت کے پانچوں صوبے خود مختار ہو گئے۔ اس طرح دکن کے علاقے پر پانچ آزاد ریاستوں کا قیام عمل میں آیا جن کے نام یہ ہیں۔ ا۔ بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت، ۲۔ گولکنڈہ کی قطب شاہی ۳۔ احمد نگر کی نظام شاہی ۔ ۴۔ بیدر کی برید شاہی اور ۵۔ برار کی عماد شاہی۔

ان ریاستوں میں، بیجاپور کی عادل شاہی اور گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومتوں کو، اردو زبان وادب کے نشو و نما کے سلسلے میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ یہ دو ریاستیں اردو زبان وادب کے دو اہم مراکز کی حیثیت رکھتی ہیں جس طرح بعد کے زمانے میں یعنی اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں دہلی اور لکھنؤ اردو کے دو اہم مرکز تھے۔ اسی طرح اردو کے اولین دور میں، بیجاپور اور گولکنڈہ، قدیم اردو کے دو اہم مراکز مانے جاتے ہیں

عادل شاہی دور، کم و بیش دو صدیوں پر محیط ہے۔ اس دور کے ادبی اور شعری کارناموں کا جائزہ لینے سے قبل، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے سیاسی اور سماجی پس منظر پر بھی سرسری نگاہ ڈالی جائے۔

عادل شاہی سلطنت کا بانی یوسف عادل تھا، جو بہمنی دور کے مشہور وزیر محمود گاواں کا تربیت یافتہ تھا۔ محمود گاواں کے قتل کے بعد، یوسف عادل نے کمزور بہمنی حکومت کے خلاف بغاوت کر دی اور سنہ ۱۴۹۰ء میں بیجاپور کے علاقے پر، ایک آزاد اور خود مختار سلطنت کے قیام کا اعلان کیا اور یوسف عادل شاہ کے نام سے تخت نشین ہوا۔ یوسف عادل شاہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان اور ارباب علم و ہنر کا قدردان تھا

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول) لاہور ایڈیشن ۱۹۷۵ء ص ۱۷۹

اس لیے، بہمنی دور کے تمام علما، فضلا، شعرا اور اہل کمال بیجاپور میں جمع ہو گئے تھے۔ بادشاہِ وقت نے ان عالموں کی خاطر خواہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح عادل شاہی حکومت کے آغاز کے ساتھ ہی بیجاپور، علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ ابتدائی دو تین حکمرانوں کے زمانے میں اردو زبان کو شاہی سرپرستی حاصل نہیں ہوئی۔ یوسف عادل اور اس کے جانشین فارسی زبان و ادب کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے۔ اس لیے ابتدائی دو تین بادشاہوں کے زمانے میں اردو کی خاطر خواہ ہمت افزائی نہیں ہوئی۔ لیکن دربار سے ہٹ کر عوام میں، جس زبان کا چلن روز افزوں بڑھتا جا رہا تھا وہ قدیم اردو یا دکنی زبان تھی۔ صوفی اور مذہبی رہنما، اس زبان کو مذہبی معلومات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے استعمال کر رہے تھے۔ چناں چہ اس زمانے میں بہمنی عہد کے آخری زمانے کے بلند پایہ صوفی حضرت میراں جی شمس العشاق بیجاپور تشریف لائے۔ ان کی خانقاہ عوام و خواص کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

عادل شاہی حکومت کا پانچواں بادشاہ، ابراہیم عادل شاہ ثانی نہ صرف عالموں، شاعروں اور اہل کمال کا قدر دان تھا بلکہ خود بھی صاحبِ علم و فضل بھی تھا۔ وہ خطاطی، مصوری، نقاشی، شاعری اور موسیقی میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ شاعری اور موسیقی کا ذوق اسے ورثے میں ملا تھا۔ ان دونوں فنون میں اس کو استادانہ مہارت حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اس کو "جگت گرو" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ "نورس" ابراہیم عادل شاہ کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ فارسی کے مشہور انشا پرداز مُلّا ظہوری نے لکھا ہے۔ "نورس" کے مطالعے سے ابراہیم کے شاعرانہ کمال اور فن موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی، ہندو دیومالا، سنسکرت، برج بھاشا اور دکنی سے واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

ابراہیم ثانی کا بیٹا محمد عادل شاہ ۱۶۲۶ء میں بیجاپور کے تخت کا وارث بنا۔ اس نے اپنے باپ کی قائم کردہ تمام ادبی اور تہذیبی روایات کو برقرار رکھا۔ وہ خود تو شاعر نہیں تھا لیکن علم و ادب اور اہل فن کی قدر دانی میں اپنے اجداد سے کسی طرح پیچھے نہیں تھا۔ محمد عادل شاہ کے بعد علی عادل شاہ ثانی شاہی ۱۶۵۶ء میں ساتویں عادل شاہی حکمراں کی حیثیت سے بیجاپور کے تخت پر بیٹھا۔ علی عادل شاہ شاہی، دیگر

عادل شاہی سلاطین کی طرح ایک علم دوست اور ادب نواز بادشاہ تھا۔ اس کو شاعری موسیقی اور فن تعمیر سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ وہ محمد قلی قطب شاہ کی طرح ایک صاحب دیوان اور قادر الکلام شاعر تھا۔ اس کے دیوان میں غزلیں، قصیدے، مرثیے گیت وغیرہ تمام اصناف سخن موجود ہیں۔

شاہی ایک بلند مرتبہ قصیدہ نگار اور بے مثال غزل گو ہے۔ اپنے دادا "جگت گرو" کی طرح وہ نغمہ و نشاط کا شاعر ہے۔ اس نے اپنے کلام میں مقامی ماحول اور مقامی روایات کی بھرپور ترجمانی کی ہے۔ شاہی کا کلام زبان و بیان اور اظہار و اسلوب کے نقطۂ نظر سے ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس کے کلام میں جگہ جگہ تازگی، ندرت اور بانکپن کا احساس ہوتا ہے۔

عادل شاہی سلاطین کے علاوہ متعدد شاعروں اور ادیبوں نے مختلف اصناف سخن میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ لیکن اس مضمون میں تمام فنکاروں کا تفصیلی جائزہ لینا مشکل ہے اس لیے۔ چند اہم اور بلند پایہ شاعروں اور ادیبوں کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

دبستان بیجاپور کے اولین شاعروں اور نثر نگاروں میں شاہ برہان الدین جانم، عبدل اور مقیمی کے نام ملتے ہیں۔ اس کے بعد حسن شوقی۔ نصرتی۔ ہاشمی، ملک خوشنود اور رستمی بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

برہان الدین جانم، حضرت شاہ میراں جی شمس العشاق کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی اور روحانی پیشوا بھی تھے۔ جانم کے مریدوں اور معتقدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے انہوں نے اپنے والد شمس العشاق کی طرح دکنی نظم و نثر میں چھوٹے بڑے متعدد رسالے اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی منظوم کتابوں میں "ارشاد نامہ" "حجت البقا" "وصیت الہادی" "سکھ سہیلا" "بیخ گنج" اور نثری تصانیف میں "کلمۃ الحقائق" اور "رسالہ وجودیہ" اہمیت کے حامل ہیں۔

بیجاپور کے اولین شاعروں میں عبدل قابل ذکر ہے، جو ابراہیم

عادل شاہ ثانی "جگت گرو" کا درباری شاعر تھا۔ اس نے ۱۶۰۳ء میں بادشاہِ وقت کی ذات و صفات کو موضوع بنا کر "ابراہیم نامہ" کے نام سے ایک طویل مثنوی لکھی ہے۔ اس مثنوی میں عبدل نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے حالاتِ زندگی اور اس کے معمولات کا ذکر، حقیقت پسندی کے ساتھ کیا ہے۔ تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی نقطہ نظر سے بھی یہ مثنوی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں اپنے دور کی عام زندگی، رسوم و رواج، لباس، زیورات اور تفریحات و تقریبات کے نقشے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوگیے ہیں۔

مقیمی عادل شاہی دور کا ایک بلندپایہ مثنوی نگار شاعر ہے جس نے ۱۶۲۵ء اور ۱۶۴۰ء کے درمیانی زمانے میں "چندر بدن اور مہیار" کے نام سے ایک مختصر مثنوی قلم بند کی۔ اس مثنوی میں ایک مسلمان تاجر کے بیٹے "مہیار" اور ہندو شہزادی "چندر بدن" کی عشقیہ داستان نظم کی گئی ہے۔ اس مثنوی میں مقیمی نے گولکنڈہ کے ملک الشعرا ملا غواصی کی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" سے اثر پذیری کا ذکر کیا ہے۔ "چندر بدن و مہیار" "سیف الملوک" کے مرتبے کو نہیں پہنچی لیکن اس کو دکنی کی منتخب عشقیہ مثنویوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

حسن شوقی

حسن شوقی دبستانِ بیجاپور کے دو یا تین منتخب شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا تعلق نظام شاہی، قطب شاہی اور عادل شاہی تینوں سلطنتوں سے رہا ہے لیکن اس کا زیادہ تر قیام بیجاپور میں ہی رہا۔ حسن شوقی دکنی کا ایک مقبول ترین استادِ سخن تھا۔ ابن نشاطی، ہاشمی، نصرتی اور ولی جیسے بلند پایہ شاعروں نے اس کی استادی کا لوہا مانا ہے۔

حسن شوقی جنگ تالیکوٹ کی فتح کے موقع پر ۱۵۶۴ء میں نظام شاہی دربار سے وابستہ تھا۔ اس لیے اپنی مثنوی کا نام اس نے "فتح نامہ نظام شاہ" رکھا ہے اور حسین نظام کو اس جنگ کا ہیرو قرار دیا ہے حالانکہ اس جنگ میں علی عادل شاہ اول، علی برید شاہ، ابراہیم قطب شاہ اور حسین نظام شاہ چاروں برابر کے شریک تھے۔ ان چاروں بادشاہوں نے مل کر وجیانگر کے راجہ رام راج کو شکست دی تھی۔

نظام شاہی سلطنت کے خاتمہ کے بعد حسن شوقی بیجاپور چلا آیا۔ اس نے اپنی دوسری مثنوی "میزبانی نامہ" محمد عادل شاہ کے دورِ حکومت میں لکھی۔ اس مثنوی میں محمد عادل شاہ کی شادی کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ "میزبانی نامہ" میں بادشاہ کی علم دوستی، شجاعت اور فیاضی کی دل کھول کر تعریف کی گئی ہے۔ "فتح نامہ نظام شاہ" کے مقابلے میں "میزبانی نامہ" میں حسن شوقی کا اسلوب زیادہ رواں اور پُراثر معلوم ہوتا ہے۔ بارہ سو اشعار پر مشتمل اس مثنوی کے مطالعے سے حسن شوقی کی فنکارانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اس عہد کے رسم و رواج اور طرزِ معاشرت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ حسن شوقی ایک لاجواب مثنوی نگار ہی نہیں بلکہ بلند مرتبہ غزل گو بھی تھا۔ جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، محمد قلی اور غواصی کے بعد حسن شوقی سب سے بڑا غزل گو شاعر ہے۔ اس کی غزلوں میں سادگی، حقیقت پسندی اور تاثر کی فراوانی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

محمد نصرت نصرتی

نصرتی عادل شاہی عہد کا سب سے بڑا شاعر ہے۔ وہ علی عادل شاہ ثانی شاہی کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔ اس کے آبا و اجداد بیجاپور کی فوج سے وابستہ تھے۔ خود نصرتی بادشاہ وقت سلطان علی عادل شاہ شاہی کے بچپن کا ساتھی تھا اس لیے ملک الشعرا ہونے کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے مزاج میں بھی اسے غیر معمولی دخل حاصل تھا۔ وہ شاہی کے رزم و بزم دونوں کا ساتھی تھا۔ نصرتی کی تین مثنویوں، "گلشنِ عشق"، "علی نامہ" "تاریخِ اسکندری" کے علاوہ غزلوں قصیدوں اور رباعیوں پر مشتمل ایک دیوان بھی منظرِ عام پر آیا ہے۔

نصرتی کی دو مثنویاں "گلشنِ عشق" اور "علی نامہ" اردو کی بلند پایہ مثنویوں میں شمار ہوتی ہیں۔ "گلشنِ عشق" نصرتی کی پہلی مثنوی ہے جو ۱۶۵۷ء میں تصنیف کی گئی۔ اس مثنوی میں نصرتی نے کنور منوہر اور راجکماری مدمالتی کی عشقیہ کہانی بیان کی ہے۔ زبان و بیان کے نقطۂ نظر سے یہ دکنی کی بے مثال مثنوی سمجھی جاتی ہے۔

نصرتی کی شاہکار مثنوی "علی نامہ" ہے۔ یہ ۱۶۶۵ء کی تصنیف ہے۔

"علی نامہ" بادشاہِ وقت علی عادل شاہ شاہی کی ان معرکہ آرائیوں پر مشتمل ہے جن کا

وقتاً فوقتاً بادشاہ کو سامنا کرنا پڑا۔ "علی نامہ" میں نصرتی نے چند قصیدے بھی شامل کئے ہیں۔ ان قصائد میں بادشاہ کی مدح سرائی کے ساتھ ساتھ اس کی معرکہ آرائیوں کی تفصیل، تاریخی دیانتداری کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ مخالف گروہ کے مورخین بھی نصرتی کی اس تصنیف کے حوالے دیتے ہیں۔ قصیدہ نگاری کے میدان میں نصرتی نہ صرف دبستان دکن کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے بلکہ اردو قصیدہ نگاری کی تاریخ میں بھی اس کا نام سودا سے پہلے، ایک اہم قصیدہ گو کی حیثیت سے لیا جائے گا۔ نصرتی ایک کامیاب مثنوی نگار اور بے مثال قصیدہ گو ہی نہیں تھا بلکہ غزل گوئی اور رباعی نگاری کے میدان میں بھی اس نے بیحد مقبولیت حاصل کی۔

سید میراں ہاشمی

عادل شاہی دور کے مقبول شاعروں میں ہاشمی بیجاپوری کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ مادرزاد اندھا تھا۔ اس نے ریختی کا ایک مکمل دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ ریختی ایک ایسی صنفِ سخن ہے جس میں شاعر خود کو صنفِ نازک تصور کر کے، عورتوں کے جذبات اور احساسات کی، انہیں کی زبان میں ترجمانی کرتا ہے۔ ہاشمی سے قبل بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی ادوار میں متعدد شاعروں نے ریختی کے نمونے پیش کئے ہیں لیکن موجودہ معلومات کی روشنی میں ہاشمی پہلا شاعر ہے جس نے ایک مکمل اور ضخیم دیوان ریختی میں مرتب کیا ہے۔ ہاشمی کے کلام کے مطالعے سے اس کی قادر الکلامی، شاعرانہ فنکاری اور وسیع ذخیرہ الفاظ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہاشمی کی دوسری قابل ذکر تصنیف، اس کی غیر مطبوعہ مثنوی "یوسف زلیخا" ہے۔ یہ مثنوی ۱۶۸۷ء میں تکمیل کو پہنچی اور اس میں تقریباً پانچ ہزار دو سو اشعار ہیں۔ عادل شاہی اور قطب شاہی دور کے دوسرے شاعروں نے بھی قصہ یوسف زلیخا کو موضوع بنا کر کئی مثنویاں تصنیف کی ہیں لیکن ہاشمی کی مثنوی اس موضوع پر لکھی گئی دوسری مثنویوں میں بلند مرتبہ ہے۔

ملک خوشنود | ملک خوشنود، محمد عادل شاہ کے عہد کا شاعر ہے۔ وہ دراصل گولکنڈہ کا باشندہ تھا، جس کو عبداللہ قطب شاہ نے، اپنی بیٹی شہزادی خدیجہ سلطان کے جہیز میں غلام کی حیثیت سے بیجاپور بھیجا تھا۔ ملک خوشنود نے بیجاپور میں، اپنے حسن انتظام اور شعری صلاحیتوں کے سبب اس قدر ترقی کی کہ رفتہ رفتہ اس کا شمار بیجاپور کے ممتاز شاعروں میں ہونے لگا۔ ملک خوشنود کی دو مثنویوں "یوسف زلیخا" اور "جنت سنگار" کے علاوہ چند غزلوں کا پتا چلتا ہے۔ "یوسف زلیخا" نایاب ہے۔ جنت سنگار، جو امیر خسرو کی "ہشت بہشت" کا آزاد ترجمہ ہے ۱۶۴۵ء کی تصنیف ہے۔ اس مثنوی میں آٹھ جنتوں یعنی آٹھ محلوں کی تصویریں پیش کی گئی ہیں تین ہزار دو سو چھبیس اشعار پر مشتمل یہ ایک ضخیم مثنوی ہے، جس سے شاعر کی قادر الکلامی کا اندازہ ہوتا ہے۔

رستمی | کمال خاں رستمی، عادل شاہی دور کا ایک ممتاز شاعر ہے۔ اس کی شہرت اور مقبولیت کا دارومدار ایک طویل رزمیہ مثنوی "خاور نامہ" پر ہے۔ یہ مثنوی چوبیس ہزار اشعار پر مشتمل ہے جسے رستمی نے ۱۶۴۹ء میں ڈیڑھ سال کے عرصہ میں مکمل کیا ہے۔ جہاں تک رزمیہ شاعری کا تعلق ہے نصرتی کی "علی نامہ" کے بعد رستمی کی خاور نامہ دبستان دکن کی سب سے اہم مثنوی ہے۔

عادل شاہی دور کے دیگر شاعروں اور ادیبوں میں شاہ داول، امین الدین اعلیٰ، محمود خوش دہاں، شاہ معظم، علی رحمتی، محمد امین ایاغی، شاہ عالم شغلی، شاہ سلطان صنعتی، مرزا محمد مقیم عاجز، مرزا بیجاپوری امین اور شاہ دولت کے نام قابل ذکر ہیں جنہوں نے سرزمین بیجاپور پر عادل شاہی دور میں، شعری اور نثری تخلیقات کی صورت میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

قطب شاہی دور | قطب شاہی دور کا آغاز ۱۵۱۸ء میں ہوتا ہے اور اورنگ زیب عالمگیر کی فتح دکن کے بعد ۱۶۸۷ء میں ختم ہو جاتا ہے۔ قطب شاہی سلطنت کا بانی سلطان قلی تھا، جس نے ۱۵۱۸ء میں، گولکنڈہ کے علاقے پر اپنی

خودمختاری کا اعلان کیا۔ سلطان قلی کے بعد، جمشید قلی، ابراہیم قلی، محمد قلی، محمد قطب شاہ عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تاناشاہ نے گولکنڈہ پر حکمرانی کی۔ لیکن جہاں تک فنون لطیفہ اور شعر و ادب کے نشو و نما کا تعلق ہے، محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ کے دور حکومت کو تاریخ ادب میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ دونوں قطب شاہی سلاطین نہ صرف رعایا پرور حکمراں، دکنی تہذیب و تمدن کے معمار، فن تعمیر اور رقص و موسیقی کے دلدادہ تھے بلکہ قدیم اردو یا دکنی کے خوش گو شاعر بھی تھے۔

قطب شاہی دور کے اولین شاعروں میں فیروز، محمود اور ملا خیالی کے نام ملتے ہیں۔ یہ تینوں شاعر ابراہیم قطب شاہ کے دور سے متعلق ہیں۔ فیروز دراصل بیدر کا متوطن تھا جو ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں گولکنڈہ چلا آیا۔ گولکنڈہ آنے سے پہلے وہ بیدر کے اساتذۂ سخن میں شمار ہوتا تھا۔ گولکنڈہ کے علمی اور ادبی حلقوں میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ فیروز کی گولکنڈہ میں آمد وہی حیثیت رکھتی ہے، جیسے کہ بعد کے زمانے میں ولی کا سفر دہلی۔ جس طرح اٹھارویں صدی کے آغاز میں شمالی ہند میں ولی کے زیر اثر اردو شاعری کا آغاز ہوا بالکل اسی طرح گولکنڈہ کے شاعروں نے فیروز کے آگے زانوے ادب تہہ کیا۔ محمد قلی، وجہی اور ابن نشاطی نے اپنے کلام میں فیروز کو استاد سخن کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ فیروز کی ایک مختصر مثنوی "پرت نامہ" کے علاوہ چند غزلیں بھی منظر عام پر آئی ہیں۔

فیروز کی طرح سید محمود اور ملا خیالی بھی قطب شاہی دور کے ابتدائی شاعروں میں اہمیت کے حامل ہیں۔ سید محمود کی چند غزلیں اور خیالی کی صرف ایک غزل کا پتا چلتا ہے۔ لیکن محمد قلی اور ابن نشاطی نے ان شاعروں کا تذکرہ جس انداز میں کیا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بلند پایہ شاعر تھے۔

فیروز، محمود اور خیالی کے بعد گولکنڈہ کے شاعروں کی وہ نسل سامنے آتی ہے، جن کے نام اردو شعر و ادب کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔ اسداللہ وجہی، محمد قلی قطب شاہ، ملک الشعرا غواصی اور ابن نشاطی نہ صرف دبستان گولکنڈہ کے قد آور شعرا اور ادیب ہیں بلکہ تاریخ ادب اردو میں بھی ان کی

اہمیت مسلّم ہے۔

اسد اللہ وجہی: ملک الشعرا اسد اللہ وجہی قطب شاہی عہد کا ایک عظیم المرتبت شاعر اور صاحبِ طرز ادیب ہے۔ قدیم اردو کے دیگر شعرا کی طرح ہم وجہی کی تاریخِ پیدائش اور تاریخِ وفات سے واقف نہیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عمر میں محمد قلی قطب شاہ اور غواصی سے بڑا تھا۔ ابراہیم قلی قطب شاہ کے آخری زمانے میں اس نے استادِ سخن کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ محمد قلی نے اس کو اپنے دربار کا ملک الشعرا مقرر کیا تھا۔ پھر اس نے عبد اللہ قطب شاہ کا زمانہ بھی دیکھا۔

وجہی کی جو کتابیں منظرِ عام پر آئی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ قطب مشتری۔ ۲۔ سب رس۔ اور فارسی دیوان۔

قطب مشتری سنہ ۱۶۰۹ء کی تصنیف ہے۔ یہ وجہی کی ایک معرکۃ الآرا عشقیہ مثنوی ہے جس میں بادشاہ وقت محمد قلی قطب شاہ کو قصے کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ قصہ گویا محمد قلی کی شہزادگی کے زمانے سے متعلق ہے۔ نوجوانی کے زمانے میں شہزادے کو بنگالہ کی شہزادی "مشتری" سے عشق ہو جاتا ہے۔ جس کی شکل اس نے خواب میں دیکھی تھی۔ پھر وہ اس شہزادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے اور عہدِ متوسط کے دوسرے قصوں کی طرح مختلف خطرناک مہمات سر کر کے بالآخر بنگال پہنچتا ہے اور شہزادی کو بیاہ کر کے گولکنڈہ واپس آتا ہے۔ یہ صرف ایک فرضی داستان ہے جس میں قدیم زمانے کے قصوں کی طرح دیووں اور پریوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لیکن اس مثنوی کے مطالعہ سے محمد قلی قطب شاہ کے کردار پر روشنی پڑتی ہے اور اس کے عالمِ شباب کی مصروفیتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ عشقیہ شاعری کی حلاوت میں ڈوبی ہوئی اس طبع زاد کہانی میں وجہی نے بادشاہ کے مزاج و کردار کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے۔

وجہی کی دوسری اہم کتاب "سب رس" ہے۔ قدیم اردو کی یہ شاہکار نثری تصنیف سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی فرمائش پر سنہ ۱۶۳۵ء میں لکھی گئی۔ "سب رس"

فارسی تصنیف "حسن و دل" کے قصے پر مبنی ہوتے ہوئے بھی ایک تخلیقی شاہکار کہلانے کی مستحق ہے۔ کیوں کہ وجہی نے پیچیدہ اور خشک فلسفیانہ مسائل کو ادبی حسن کے ساتھ قدیم دکنی نثر میں پیش کیا ہے۔ "سب رس" اردو نثر کی دو یا تین منتخب ادبی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ سب رس کا اسلوب مقفیٰ ہوتے ہوئے بھی سادہ و پرکار ہے۔ بعض مقامات پر وجہی نے حقائق حیات کے متعلق فلسفیانہ اور حکیمانہ نکات پیش کیے ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب اردو نثر کے لازوال نمونوں میں شمار کی جاتی ہے۔ ایک اور نثری کتاب "تاج الحقائق" وجہی سے منسوب کی جاتی ہے لیکن دکنی کے بعض عالموں نے اس کو کسی دوسرے مصنف کی تصنیف قرار دیا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ

قطب شاہی سلطنت کا پانچواں حکمراں، سلطان محمد قلی قطب قدیم اردو کا ایک اہم اور پرگو شاعر ہے۔ وہ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے۔ محمد قلی سے قبل اگرچہ متعدد اساتذۂ سخن مثلاً فیروز، محمود، خیالی اور وجہی گزر چکے ہیں لیکن کسی شاعر کا کلام مرتبہ دیوان کی شکل میں ابھی تک دستیاب نہیں ہوا۔ محمد قلی کو خوش نصیبی سے ایک مستحکم اور طاقتور حکومت اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی اور اسی کا دور حکومت دو ایک معمولی لڑائیوں کو چھوڑ کر بڑی حد تک پرامن گزرا۔ اس کے عہد میں ایران کے مشہور عالم میر محمد مومن گولکنڈہ آئے ہوئے تھے۔ جنہیں بادشاہ نے اپنا مشیر مقرر کیا تھا۔ سلطنت کے بیشتر کاروبار کی عام نگرانی میر محمد مومن ہی کے سپرد تھی۔ اسی وجہ سے محمد قلی کو سیاسی اور انتظامی فکروں سے آزاد رہ کر عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کا موقع مل گیا۔

محمد قلی ایک قادرالکلام شاعر ہے، اس کا دیوان پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں غزلیں، قصائد، رباعیاں وغیرہ سبھی اصناف سخن موجود ہیں۔ محمد قلی قدیم اردو کا صف اول کا غزل گو شاعر ہے جہاں تک غزلوں کی تعداد اور تنوع کا تعلق ہے، وہ دبستان دکن کا سب سے اہم غزل گو قرار پاتا ہے۔ محمد قلی کی شاعری کی سب سے نمایاں خصوصیت سادگی بیان ہے۔ وہ اپنے جذبات، محسوسات اور تجربات زندگی کو سادگی، روانی

اور برجستگی کے ساتھ پیش کرنے کا عادی ہے۔ محمد قلی قطب شاہ نے فارسی شاعری کا انہماک سے مطالعہ کیا تھا، خاص طور پر اس نے خواجہ حافظ سے اثر بھی قبول کیا لیکن فارسی شاعری کی روایات اور رجحانات کی بیجا تقلید نہیں کی۔ محمد قلی کی شاعری گویا اس کی زندگی کا آئینہ ہے جس میں اس کی زندگی کے حالات اور واقعات کی ترجمانی ملتی ہے۔ کلام کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ اس کی زندگی سراسر عیش کی زندگی تھی آئے دن شاہی محلوں میں رقص و موسیقی کی محفلیں منعقد کی جاتی تھیں۔ جن میں مطرب خود شاہ کی غزلیں سازوں پر پیش کرتے تھے۔ محمد قلی نے بڑی دیانت داری کے ساتھ اپنی نجی زندگی کی تفصیلات بھی غزلوں میں پیش کی ہیں۔ اپنے کلام میں اس نے محلوں کی تعریف کی ہے، مناظر قدرت کی عکاسی کے علاوہ مختلف مذہبی اور عوامی تقریبات پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ اپنے ہاتھی گھوڑے پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔ سیاسی مخالفین کو بددعائیں دی ہیں اور دوستوں کے لیے دعا بھی کی ہے۔ محمد قلی نے عید میلاد، شب معراج، شب برات کے موضوع پر بھی نظمیں کہی ہیں اور بسنت، دیوالی اور ہولی پر بھی لیکن ان ساری نظموں کی تان دعوت عیش پر ٹوٹتی ہے۔ اور وہ بڑی معصومیت کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ نبیؐ اور علیؑ کے صدقے سے اسے دن رات عیش کرنے کے مواقع حاصل ہے۔ محمد قلی اردو کا اولین صاحب دیوان شاعر ہے۔ یہی واقعہ اس کے نام اور کلام کو اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

ملک الشعرا ملا غواصی غواصی قدیم اردو کا ایک عظیم المرتبت شاعر ہے۔ وہ دبستان دکن کے تین بڑے شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک وجہی ہے دوسرا نصرتی اور تیسرا غواصی۔ غواصی عمر میں وجہی اور محمد قلی سے چھوٹا تھا۔ عبداللہ قطب شاہ نے اسے اپنے دربار کا ملک الشعرا مقرر کیا تھا۔ موجودہ معلومات کی روشنی میں غواصی دبستان دکن کا عظیم ترین غزل گو، بے مثال مثنوی نگار اور کامیاب قصیدہ گو کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ اس کے تغزل کی نمایاں خصوصیات سادگی و سلاست، سوز و گداز اور تاثر کی فراوانی ہے۔ وہ اپنے احساسات اور تجربات کو سادگی، روانی اور حقیقت پسندی کے ساتھ پیش

کرتا ہے۔ جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے۔ دبستانِ دکن کا کوئی شاعر غواصی کے کے مرتبے کو نہیں پہنچتا۔ اگر زبان کی قدامت کو نظر انداز کیا جائے تو غواصی کی غزلیں حسن، حسرت اور جگر کی غزلوں کی طرح دلکش اور پُراثر معلوم ہوتی ہیں۔

جہاں تک مثنوی نگاری کا تعلق ہے۔ اس میدان میں بھی وہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اس کی تین مثنویاں ۱۔ میناست ونتی ۲۔ سیف الملوک و بدیع الجمال اور ۳۔ طوطی نامہ منظر عام پر آئی ہیں۔ میناست ونتی غواصی کی پہلی مثنوی ہے جو ۱۶۱۳ء کے لگ بھگ کی تصنیف ہے۔ اس مثنوی میں غواصی نے ہندوستان کی ایک قدیم اور مقبول کہانی کو دکنی کا جامہ پہنایا ہے۔ عورتوں کی زبان، ان کے معمولات، جذبات اور نفسیات کی ترجمانی کے لحاظ سے یہ مثنوی بہت اہمیت رکھتی ہے۔

غواصی کی دوسری مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" ہے۔ اس مثنوی کو غواصی نے ۱۶۲۵ء میں قلمبند کیا ہے۔ یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے جس میں مصر کے شہزادے سیف الملوک اور راجہ کی شہزادی بدیع الجمال کی کہانی نظم کی گئی ہے۔

غواصی کی تیسری مثنوی "طوطی نامہ" ۱۶۳۹ء کی تصنیف ہے۔ اس مثنوی کا قصہ سنسکرت کی ایک مقبول کہانی پر مبنی ہے۔ لیکن غواصی نے اصل قصے میں بہت سے حذف و اضافے کر کے اسے بڑی حد تک اپنی تخلیق بنالیا ہے۔ غواصی کی تینوں مثنویاں دیگر زبانوں کے قصوں پر مبنی ہیں لیکن اس نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انہیں بڑی حد تک طبع زاد مثنویوں کی حیثیت دے دی ہے۔ سادگیٔ بیان، مناظر قدرت کی عکاسی، انسانی جذبات کی مرقع کشی اور حقیقت نگاری غواصی کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔

ابن نشاطی | محمد مظہر الدین ابن نشاطی قطب شاہی عہد کا ایک بلند پایہ مثنوی نگار شاعر ہے۔ اس نے ۱۶۵۵ء میں "پھول بن" کے نام سے ایک دلچسپ مثنوی لکھی۔ اس مثنوی کا قصہ ایک فارسی مثنوی پر مبنی ہے لیکن ابن نشاطی نے اصل قصے میں بہت کچھ تبدیلیاں کی ہیں۔ ادبی نقطہ نظر سے یہ مثنوی دبستان دکن

کی اہم مثنویوں میں شمار کی جاتی ہے۔ شاعر نے مثنوی کو متعدد ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کا آغاز ایک ایسے شعر سے کیا ہے کہ اگر صرف سارے ابواب کے صرف ابتدائی اشعار یکجا کر دیے جائیں تو مثنوی کا خلاصہ پیش نظر ہو سکتا ہے۔ وجہی اور غواصی کی مثنویوں کے بعد ابن نشاطی کی مثنوی پھول بن دبستان بیجاپور کی سب سے اہم مثنوی سمجھی جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ قطب شاہی دور میں صرف وجہی، غواصی اور ابن نشاطی نے ہی مثنوی نگاری پر توجہ دی ہے بلکہ متعدد شاعروں نے اس صنفِ سخن میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے ہیں۔ قطب شاہی دور کی دیگر قابلِ ذکر مثنویوں میں احمد گجراتی کی یوسف زلیخا، فائز کی رضوان شاہ و روح افزا، طبعی کی بہرام و گل اندام اور جنیدی کی "ماہ پیکر" اہمیت کی حامل ہیں۔ اسی طرح عبداللہ قطب شاہ کی غزلیں اور میراں جی خدا نما کے نظم و نثر سے متعلق رسالے بھی قطب شاہی دور کے اہم ادبی نقوش ہیں۔

مملکت گولکنڈہ اور بیجاپور کے زوال کے بعد اورنگ آباد، جسے مغل فرمانروا عالمگیر نے اپنا صدر مقام بنایا تھا، اردو شعر و ادب کا مرکز بن گیا۔ مغل دور میں بھی سرزمین دکن شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں کو پیدا کرتی رہی لیکن ان میں ولی اور سراج کے نام ہی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں جنہوں نے بڑی حد تک قدیم دکنی شاعری کے روایات اور رجحانات کی پاسداری کی۔ ولی اور سراج کے ساتھ ہی دکنی شاعری کی ان تمام شعری روایات کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کے پودے کو وجہی، محمد قلی، غواصی اور نصرتی جیسے شاعروں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا۔

دکنی شاعری کی خصوصیات

قدیم اردو یا بالخصوص دبستان دکن کی شاعری پر نظر ڈالی جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نمایاں خصوصیات کم و بیش ہر شاعر کے ہاں موجود ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہر شاعر اپنی انفرادی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے لیکن بحیثیت مجموعی بعض خصوصیات تمام دکنی شعرا میں مشترک نظر آتی ہیں۔

قدیم اردو شاعری کی اولین خصوصیت اظہار بیان کی سادگی ہے۔ سادگی، روانی اور برجستگی دکنی شاعری کی وہ نمایاں خصوصیت ہے جو ۱۷۰۰ء کے بعد شمالی ہند میں نشوونما پانے والی شاعری میں تدریجی طور پر کم ہوتی گئی اور اس کی جگہ پُرپیچ اسلوب بیان، مرصع نگاری اور مشکل پسندی نے لے لی۔ دکنی شعرا کے ہاں شاید ہی کوئی مقام ایسا ملے گا جہاں صنائع بدائع کا اہتمام مرصع نگاری کی کوشش کی گئی ہو۔

قدیم اردو شاعری کی دوسری اہم اور نمایاں خصوصیت حقیقت پسندی یا واقعہ نگاری کا رجحان ہے۔ دکنی شعرا نے اپنے محسوسات، مشاہدات اور تجربات زندگی کو بے جا تکلف اور تصنع کے بغیر حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ۱۷۵۰ء کے بعد شمالی ہند میں جس شاعری کو فروغ ہوا اس پر فارسی شاعری کی روایات اور رجحانات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے جب کہ قدیم دکنی شاعری پر ہندوستانی شاعری کی روایات کا اثر غالب ہے۔ اسی لیے دکنی شعرا کے کلام میں ہندوستانی ماحول، ہندوستانی معاشرت، ہندوستانی تصورات یہاں کے سبزہ گل، مناظر قدرت، مقامی پرندے، دریا پہاڑ، تاریخی اور افسانوی سواد کے حوالے جا بجا نظر آتے ہیں۔ دکنی شاعری میں حسن و عشق کے وہی مضامین اور تصورات پیش کیے گئے ہیں جو ہندوستانی ذوق کے مطابق ہوں غرض قدیم اردو شاعری پر ہندوستانی اقدار، ہندوستانی ماحول اور ہندوستانی روایات کی گہری چھاپ موجود ہے جس کی وجہ سے یہ شاعری ایک ادبی نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دکنی ادب پر تحقیقی کام

قدیم اردو ادبیات پر تحقیقی کام کی ابتدا کا سہرا مشہور مستشرق گارساں دتاسی کے سر ہے اس محسن اردو نے ۱۸۲۵ء سے اس کام کا آغاز کیا تھا اور زندگی بھر وہ اردو کے قدیم ادب کی تحقیق و تنقید میں مصروف رہا۔ کلیات ولی کو سب سے پہلے گارساں دتاسی ہی نے دو مخطوطات کی مدد سے ۱۸۳۴ء میں مرتب کرکے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ پیرس کے شاہی مطبع سے شائع کیا تھا[۱]۔ اس کتاب کی اشاعت کے تقریباً سو سال بعد احسن مارہروی کا مرتبہ کلیات ولی ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔ گارساں دتاسی پہلا شخص ہے جس نے اردو ادب پر تحقیقی کام کا آغاز کیا تھا اور ہمارے شعرا اور ادبا کی خدمات کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور فرانسیسی زبان میں ایک مبسوط تاریخ قلمبند کرکے تین جلدوں میں شائع کی۔ اس کے کتب خانے میں دکنی ادب سے متعلق قلمی کتابوں کا اچھا ذخیرہ موجود تھا۔

جہاں تک دکنی ادبیات کی اشاعت کا تعلق ہے انیسویں صدی کے ربع دوم میں بمبئی کے مطبع محمدی اور مطبع حیدری نے قدیم ادبیات سے متعلق متعدد کتابیں شائع کیں۔ اس سلسلے میں یہاں چند دکنی کتابوں کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وجیہہ الدین وجدی کی مثنوی "پنچھی باچھا" یا "پنچھی نامہ" مطبع محمدی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہی کتاب مطبع حیدری سے ۱۸۵۷ء میں چھپی۔ دیوان ولی

---

[۱] اس کتاب کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانۂ خاص میں محفوظ ہے۔

مطبع حیدری سے ۱۸۴۲ء میں شائع ہوا۔ اسی طرح مدراس کے مطبع عزیز اور عمدۃ سینٹ جارج کالج کے مطبع سے محمد باقر آگاہ کی تصنیف "ہشت بہشت" اور محمد ابراہیم بیجاپوری کی "دکنی انوار سہیلی" علی الترتیب ۱۸۵۷ء اور ۱۸۲۴ء میں شائع ہوکر منظرِ عام پر آئی۔ گارساں دتاسی کا زیادہ تر کام فرانسیسی زبان میں تھا اور بمبئی یا مدراس کے چھاپہ خانے سے جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی حیثیت مخطوطات کی نقل سے زیادہ نہیں ہے۔

قدیم دکنی ادب کے موضوع پر پہلا تعارفی مضمون حکیم شمس اللہ قادری نے ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ کے رسالے "لسان العصر" میں شائع کیا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے "کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ" سے متعلق ایک تحقیقی مضمون رسالہ "اردو" اورنگ آباد میں شائع کیا۔ ان مضامین کی اشاعت اردو زبان کی عمر میں چار پانچ صدیوں کے اضافہ کا باعث ہوئی اور دنیائے اردو اس امر سے آگاہ ہوئی کہ دلی دکنی سے صدیوں پہلے بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے دورِ حکومت میں گلبرگہ، بیدر، گولکنڈہ اور بیجاپور کے علاقوں میں اردو نثر و ادب کا ایک مستقل دبستان موجود تھا۔

۱۹۲۸ء میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی معرکتہ الآرا کتاب "اردو شہ پارے" منظرِ عام پر آئی۔ یہ کتاب دکنی ادب کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۹۳۵ء میں نواب سالار جنگ کی سرپرستی میں سٹی کالج میں "یومِ دلی" کا شاندار پیمانے پر انعقاد عمل میں آیا تھا۔ اس موقع پر قدیم مخطوطات کی نمائش بھی کی گئی۔ نواب سالار جنگ افتتاحی اجلاس کے صدر تھے۔ انھوں نے اپنی تقریر میں ان مخطوطات کی اشاعت سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ اس خصوص میں ایک مجلس اشاعت دکنی مخطوطات کی تشکیل عمل میں آئی جس میں سٹی کالج کے پرنسپل سید محمد اعظم، ڈاکٹر زور اور پروفیسر سید محمد کو بالترتیب صدر، نائب صدر اور معتمد بنایا گیا۔ اس مجلس کی جانب سے ڈاکٹر زور نے محمد قلی قطب شاہ کا ضخیم کلیات مرتب کیا۔ پروفیسر سروری نے

ابن نشاطی کی مثنوی "پھول بن" مقیمی کی "قصۂ بے نظیر" اور سراج اورنگ آبادی کا کلیات مرتب کیا۔ پروفیسر سیّد محمد نے نصرتی کی "گلشن عشق" وجدی کی "پنچھی باچھا" فائز کی "رضوان شاہ و روح افزا" اور عبداللہ قطب شاہ کا کلیات شائع کیا۔ [1]

میر سعادت علی رضوی نے غواصی کی دو مثنویوں "سیف الملوک و بدیع الجمال" اور طوطی نامہ" کو مرتب کیا۔ پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے نصرتی کی "علی نامہ" کو محمد اکبر الدین صدیقی نے مقیمی کی "چندر بدن و مہیار" اور خواجہ حمید الدین شاہد نے شفیق اورنگ آبادی کی مثنوی "تصویر جاناں" کو مرتب کر کے شائع کیا۔

تحقیق کی ان اولین کاوشوں کے نتیجے میں دکنی ادب کی جو کتابیں شائع ہوئیں، ان میں تحقیق سے زیادہ تدوین کی جانب توجہ کی گئی۔ یہ کوشش بنیادی طور پر ماخذ کے تحفظ پر مرکوز تھیں، اور اگر تحقیق و تنقید اور تدوین متن کے جدید اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا جائے تو دو چار مستثنیات سے قطع نظر یہ کام غیر تشفی بخش اور خامیوں سے پر نظر آئے گا۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کتابوں کی اشاعت سے آنے والی نسلوں کے لیے تحقیق و تنقید کی راہیں کافی آسان ہوگئیں۔

اسی دوران مولوی عبدالحق نے حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے رسالے "معراج العاشقین"، وجہی کی "سب رس" اور "قطب مشتری" کو مرتب کر کے شائع کیا۔ بیجاپور کے ملک الشعراء نصرتی پر ایک تحقیقی کتاب لکھی اور قدیم ادب سے متعلق متعدد تحقیقی مضامین قلمبند کئے۔ جو "قدیم اردو" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ "معراج العاشقین" کو بعد میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور

---

[1] پروفیسر گیان چند جین نے سیّد محمد کی مرتبہ دکنی ادب سے متعلق کتابوں میں "مثنوی قصہ ملکہ مصر" کا نام بھی شامل کیا ہے لیکن راقم کو اس نام کی کسی مطبوعہ مثنوی کا پتہ نہیں چلا۔
(ادبی اور لسانی تحقیق مرتبہ عبدالستار دلوی ص: ۲۱۷)

ڈاکٹر خلیق انجم نے بھی مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

۱۹۵۹ء میں محمد بن عمر نے "کلیاتِ غواصی" مرتب کیا تھا جس میں ڈاکٹر زور کا مقدمہ بھی شامل ہے یہ کتاب ملک الشعرا غواصی کے منتخب کلام کی حیثیت رکھتی ہے۔ محمد بن عمر نے "وجیہ الدین وجدی" کے نام سے بھی ایک کتاب مرتب کی تھی مولوی نصیر الدین ہاشمی کو دو کتابیں دکنی کے چند تحقیقی مضامین اور "مقالات ہاشمی" دکنی ادب سے متعلق اہم کتابیں ہیں

۱۹۶۲ء میں علی عادل شاہ ثانی شاہی کا کلیات ڈاکٹر زینت ساجدہ نے مرتب کر کے حیدرآباد اردو اکیڈمی کی جانب سے شائع کیا تھا۔ شاہی کے کلیات کو پروفیسر مبارز الدین رفعت نے بھی اسی سال مرتب کر کے انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا۔

دکنی ادب پر تحقیقی کام کے دوسرے مرحلہ کا آغاز ۱۹۶۵ء میں ہوا جب کہ ڈاکٹر مسعود حسین خاں جو اُس وقت صدر شعبۂ اردو تھے، نے اپنے رفقا کے تعاون سے ایک تحقیقاتی مجلّے "قدیم اردو" کا اجرا عمل میں لایا۔ اس طرح پہلی بار قدیم ادب کی منتخب تخلیقات کے متنوں کو مختلف نسخوں کے باہمی مقابلہ کے بعد متنی تنقید کے جدید اصولوں کی روشنی میں، صحت کے ساتھ پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی۔ اس مجلہ کی پہلی مثنوی غواصی کی "مینا ست ونتی" ہے۔ جسے ڈاکٹر غلام عمر خاں نے نو مخطوطات کی مدد سے تحقیق و ترتیب کے جدید اصولوں کی روشنی میں، ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ اس مثنوی کے علاوہ "قدیم اردو" میں ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی نے شاہ معظم کی دو مثنویاں "گفتار عشق و عقل"، "گنج مخفی" اور ایک قصیدہ کو مرتب کیا ہے۔ محمد اکبر الدین صدیقی نے شاہ داول کی مثنوی "کشف الوجود" کو، ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے فیروز بیدری کی "پرت نامہ" کو مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد اور ڈاکٹر سیدہ جعفر نے بالترتیب حسن شوقی کی غزلیں اور دکنی رباعیات کے موضوعات پر مقالے لکھے ہیں۔

قدیم اردو کا دوسرا شمارہ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا جس میں ڈاکٹر غلام عمر خاں نے عاجز کی مثنوی "لیلیٰ مجنوں" کو، بدیع حسینی نے میراں یعقوب کی "شمائل الاتقیاء" کے انتخاب کو اکبر الدین صدیقی اور مبارز الدین رفعت نے علاءول کی "ابلیس نامہ" کو مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

قدیم اردو کا تیسرا شمارہ ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے عبدل کی مثنوی "ابراہیم نامہ" کو ایڈیٹ کیا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں قدیم اردو کا ایک اور شمارہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کی ادارت میں شائع ہوا جس میں اکبر الدین صدیقی نے جانم کی تصنیف "ارشاد نامہ" کو مرتب کیا ہے

۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر محمد ہاشم علی کی کتاب "سفر مرغوب چہار شہادت" شائع ہوئی۔ اور میراں جی شمس العشاق" کے نام سے انہیں کی ایک کتاب ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آئی۔

دکنی ادب سے متعلق پی ایچ ڈی کے لیے قلمبند کیے گئے مقالوں میں درج ذیل شائع ہو چکے ہیں۔ اردو نثر کا آغاز و ارتقاء (ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ) اردو مرثیے کا ارتقاء گولکنڈہ اور بیجاپور میں (ڈاکٹر سید سراج علی) امین الدین اعلیٰ حیات اور کارنامے (ڈاکٹر حسینی شاہد) بیجاپور کی اردو مثنویاں (ڈاکٹر قیوم صادق) سب رس کی تنقیدی تدوین (ڈاکٹر حمیرہ جلیلی) مدراس میں اردو (ڈاکٹر افضل اقبال) تاج الحقائق کی تنقیدی تدوین (ڈاکٹر نور السعید اختر) دکنی کی نثری داستانیں" (ڈاکٹر فرزانہ بیگم) "دکنی غزل کی نشو و نما (ڈاکٹر محمد علی اثر) "دکن میں مرثیہ نگاری اور عزاداری" (ڈاکٹر رشید موسوی)
"اٹھارویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کی ادبی زبان کا لسانی جائزہ (ڈاکٹر جیلانی بیگم) دکنی تذکرے" (ڈاکٹر حبیبہ بیدار) پی ایچ ڈی کے غیر مطبوعہ مقالوں میں ڈاکٹر محمد ہاشم علی کا مقالہ "شاہ صدر الدین حیات اور اردو خدمات" ڈاکٹر زینت ساجدہ کا مقالہ "نو سرہار کی تنقیدی تدوین" ڈاکٹر سیدہ [illegible] کا دکنی اردو کا آغاز و ارتقاء" ڈاکٹر سید محمود قادری کا مخزن عشق کی تنقیدی تدوین" ڈاکٹر [illegible] صدیقی کا "دیوان سلطان کی تنقیدی تدوین" ڈاکٹر خلیل [illegible]

"دیپک پتنگ" کی تنقیدی تدوین ڈاکٹر شاہ عالم خاں کا "حضرت شاہ میراں اور ان کے خانوادے کی اردو خدمات" اور ڈاکٹر یوسف انصاری کا "مثنوی مینہہ درپن کی تنقیدی تدوین" کے نام قابل ذکر ہیں۔ اس طرح ایم۔ فل کے غیر مطبوعہ تحقیقی مقالوں میں "دکنی نور ناموں کا تنقیدی مطالعہ" (عزت النساء) "سترھویں صدی کی دکنی شاعری میں ہند المانی عناصر" (فاطمہ بیگم) "دکنی طوطی ناموں کا تنقیدی مطالعہ" (آمنہ سلطانہ) اور "تنبیہ انا کی تنقیدی تدوین" (کوکب النساء) اہمیت کے حامل ہیں۔

جہاں تک دکنی ادب کی تاریخ کا تعلق ہے اس موضوع پر پہلی کتاب مولوی نصیر الدین ہاشمی کی "دکن میں اردو" ہے۔ جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا ۱۹۴۲ء میں حکیم شمس اللہ قادری کی کتاب "اردوئے قدیم" منظر عام پر آئی۔ ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر زور کی کتاب داستان ادب حیدرآباد اور ۱۹۵۸ء میں دکنی ادب کی تاریخ شائع ہوئی۔ زور صاحب کی موخرالذکر کتاب قدیم اردو ادب کی تاریخ کے موضوع پر اپنے وقت کی جامع کتاب تھی۔ اسی سال پروفیسر سروری نے "اردو کی ادبی تاریخ" شائع کی۔ ۱۹۶۲ء میں آل احمد سرور کی ادارت میں شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے "علی گڑھ تاریخ ادب اردو" کی پہلی جلد شائع ہوئی جس میں بے شمار خامیاں راہ پا گئی تھیں۔ ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی معرکۃ الآرا کتاب "تاریخ ادب اردو" (جلد اول) مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوئی۔ آٹھ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں دکنی ادب کی تاریخ کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

دکنی ادب کی تحقیق کے سلسلے میں ڈاکٹر حفیظ قتیل اور ڈاکٹر سیدہ جعفر کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل نے نہ صرف یہ کہ ہاشمی بیجاپوری کا دیوان مرتب کیا بلکہ "میراں جی خدانما" اور معراج العاشقین کا مصنف کے نام سے دو تحقیقی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر نے نہ صرف شاہ ابوالحسن قادری کی مثنوی "سکھ انجن" احمد گجراتی کی "یوسف زلیخا" "احمد جنیدی کی" "ماہ پیکر" اور محمد قلی کے دیوان کو مرتب کیا۔ بلکہ "دکنی نثر کا انتخاب" اور "دکنی رباعیاں" کے نام سے بھی

کتابیں شائع کی ہیں۔

دکنی ادب سے متعلق دیگر تحقیقی کتابوں میں ڈاکٹر محمد باقر آغا کی "اردو کے قدم دکن اور پنجاب میں" سخاوت مرزا کی کتابیں "من لگن" اور "دیوان قاسم" سید سعادت علی رضوی کی "عادل شاہی مرثیے" افسر صدیقی امروہوی کی "بیاض مبراقی" ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی کی "اردو غزل ولی تک" اور "ولی گجراتی"، ڈاکٹر نذیر احمد کی کتاب "نورس" ڈاکٹر جاوید وششٹ کی "غزال رعنا" "وجہی کے انشائیے" "روپ رس" اور "قصہ حسن و دل"، ڈاکٹر سہیل بخاری کی "سب رس پر ایک نظر" ڈاکٹر منظر اعظمی کی "سب رس کا تنقیدی مطالعہ" بدیع حسینی کی "دکن میں ریختی کا ارتقا" محمد اکبر الدین صدیقی کی "بجھتے چراغ" ڈاکٹر نور السعید اختر کی "نقوش دکن" ڈاکٹر حمیرہ جلیلی کی "کلمتہ الاسرار" قیوم صادق کی دکنی نثا... ملا وجہی طیب انصاری کی "نصرتی کی شاعری" نصرت مہدی کی "اردو ادب میں مہدویوں کا حصہ" ڈاکٹر وہاب اشرفی کی "قطب مشتری اور اس کا تنقیدی جائزہ" ابوالبرکات کی "قطب مشتری کا تنقیدی مطالعہ" ملنسار احمد کی "دکنی مثنویوں میں منظر نگاری" ڈاکٹر جاوید وششٹ کی ملا وجہی محمد رفیق کی "انتخاب معانی اور اکبر الدین صدیقی کی انتخاب محمد قلی قطب شاہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

قدیم ادب پاروں کی توضیح اور تحسین کے سلسلے میں وضاحتی فہرستیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ برٹش میوزیم، انڈیا آفس لندن، ٹیپو سلطان اور شاہان اودھ کے کتب خانوں کے مخطوطات کی توضیحی فہرستیں انگریزی میں شائع ہو چکی تھیں۔ اردو میں قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست مرتب کرنے کا سہرا پروفیسر سعدی کے سر ہے، جنہوں نے ۱۹۲۹ء میں جامعہ عثمانیہ کے اردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کی تھی۔ اس کے بعد مولوی نصیر الدین ہاشمی نے ۱۹۳۲ء میں "یورپ میں دکنی مخطوطات" مرتب کی۔ اس کے علاوہ نصیر الدین ہاشمی نے کتب خانہ سالار جنگ، اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، عجائب خانہ حیاسہ نظامیہ اور ... ریکارڈ آفس کے مخطوطات کی فہرستیں بھی مرتب کیں۔ ڈاکٹر زور نے ادارۂ ادبیات اردو کے مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کرنے کے کام کا آغاز

مخطوطات کی توضیحی فہرست ۱۹۵۰ء میں مرتب کی۔ اس کے بعد ادارہ کے (۱۱۷۵۰) مخطوطات کی توضیحی فہرست ۱۹۵۹ء تک پانچ جلدوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ مرتب کیں۔ انجمن ترقی اردو کراچی کے اردو مخطوطات کی فہرست مولوی افسر صدیقی امروہوی نے سید سرفراز علی رضوی کے تعاون سے چھ جلدوں میں شائع کی۔ اس کے بعد مختلف کتب خانوں کی توضیحی فہرستوں کی اشاعت کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا اور جامع مسجد بمبئی کے اردو مخطوطات' ٹونک کے اردو مخطوطات' دہلی کے اردو مخطوطات' خدا بخش لائبریری پٹنہ کے اردو مخطوطات' سبحان اللہ لائبریری علی گڈھ کے اردو مخطوطات ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کے مخطوطات' پیرس کے مخطوطات' جرمنی کے مخطوطات' انڈیا آفس لندن کے مخطوطات' اور کتب خانہ حضرت پیر محمد شاہ احمد آباد کے مخطوطات کی فہرستیں شائع ہوئیں۔ مشفق خواجہ نے حال ہی میں "جائزہ اردو مخطوطات" کے نام سے پاکستان کے مخطوطات کا مفصل جائزہ کتابی صورت میں پیش کیا ہے اس کتاب کی دوسری جلد زیر طبع ہے۔

دکنی تحقیق کے سلسلہ میں "ڈاکٹر جمیل جالبی ایک قد آور شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے نہ صرف قدیم اردو ادب کی تاریخ کے تاریک گوشوں کو روشنی میں لایا ہے بلکہ ملک الشعرا نصرتی اور حسن شوقی کے دواوین کو مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ بلکہ اردو کی پہلی مثنوی" کدم راو پدم راو کو مرتب کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا ہے

دکنی قواعد اور فرہنگ نویسی پر بھی قابل لحاظ کام ہوا ہے۔ دکنی کی اب تک سات فرہنگیں مرتب کی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے

(۱) دکنی کی زبان مرتبہ عارف العلائی
(۲) دکنی لغات مرتبہ سید ابو تراب خطائی
(۳) دکنی لغت مرتبہ سید شعار احمد ہاشمی
(۴) دکنی فرہنگ مرتبہ اہیر عارفی۔
(۵) دریائے معانی مرتبہ ڈاکٹر جاوید وشسشٹ
(۶) قدیم اردو کی لغت' مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی

(۷) دکنی اردو کی لغت مرتبہ: ڈاکٹر مسعود حسین خاں اور ڈاکٹر غلام عمر خاں۔
دکنی قواعد کے موضوع پر ڈاکٹر حبیب ضیا کی کتاب "دکنی زبان کی قواعد" کے نام سے ۱۹۶۹ء میں کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

۱۹۸۰ء میں پروفیسر غلام عمر خاں، صدر شعبہ کی ادارت میں شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے اساتذہ اردو کے مضامین اور مقالوں پر مشتمل ایک مجلہ "مجلہ تحقیقات اردو" کے نام سے جاری کیا گیا تھا جس میں دکنی ادب سے متعلق پروفیسر غلام عمر خاں، ڈاکٹر محمود قادری، ڈاکٹر محمد ہاشم علی، ڈاکٹر عقیل ہاشمی اور راقم الحروف کے مضامین شامل ہیں۔

راقم الحروف نے حال ہی میں محمد اکبر الدین صدیقی کے اشتراک سے ادارہ ادبیات اردو کے اردو مخطوطات کی چھٹی جلد مرتب کی ہے جو شائع ہو چکی ہے اس کتاب کے علاوہ دکنی ادب سے متعلق راقم کی پانچ اور کتابیں "غواصی شخصیت اور فن"، "دبستان گولکنڈہ"، "دکنی ادب دکنیات"، "دکنی غزل کی نشو و نما" "دکنی کی تین مثنویاں شائع ہو چکی ہیں۔

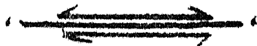
دکنی تحقیق و تنقید کے ارتقا کے سلسلے میں بعض رسائل نے ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ اس خصوص میں "سب رس" "اردو" "نوائے ادب" کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ دکنی ادب کی ترویج و اشاعت میں "سب رس" کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔

دکنی ادب کے موضوع پر چند رسائل کے خاص شماروں کا ذکر بھی ضروری ہے ۱۹۳۵ء میں سٹی کالج میگزین "المؤسی" کا یادگار ولی شائع ہوا تھا۔

۱۹۳۷ء میں طالبات جامعہ عثمانیہ کا "تذروکی"۔ ۱۹۴۴ء میں مجلہ عثمانیہ کا "دکنی ادب نمبر" شائع ہوا اور شعبہ اردو بنگلور یونیورسٹی کے ترجمان فکر و ادب کا "مثنوی نمبر" ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آیا۔

دکنی ادب سے متعلق یہ جائزہ نامکمل رہے گا اگر اس میں دکن کے مورخین اور تذکرہ نگاروں کا ذکر نہ کیا جائے۔ دکن کی ادبی تاریخ اور دکنی تہذیب و تمدن

سکے آثار کے تحفظ کے سلسلہ میں جن مورخین اور تذکرہ نگاروں نے بے مثال خدمات انجام دی ہیں ان میں: عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری، مولوی بشیرالدین احمد، سید ہمایوں مرزا، محمد عبدالعزیز، محمد سلطان، سید علی بلگرامی، محمد حسین خاں، پروفیسر ہارون خاں شیروانی، پروفیسر عبدالمجید صدیقی، ڈاکٹر زور، مولوی نصیرالدین ہاشمی وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔



ملک الشعرا غواصی اور اسکا غیر مطبوعہ کلام

ملک الشعرا ابو محمد غواصیؔ[1] قطب شاہی عہد کا ایک قد آور شاعر ہے۔ قدیم اردو کے دوسرے کلاسیکی شاعروں کی طرح، غواصی کے حالاتِ زندگی کے متعلق ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کا سنہ ولادت، تعلیم و تربیت، عمر، سنہ وفات اور خاص طور پر آخری زمانے کے حالات ہنوز پردۂ تاریکی میں ہیں۔ قطب شاہی تاریخوں، قدیم تذکروں، ہم عصر شاعروں کے حوالوں یا خود غواصی کے کلام کی اندرونی شہادتوں سے جو کچھ مواد مل سکا ہے اسے ڈاکٹر زور نے "دکنی ادب کی تاریخ" اور "کلیات غواصی" میں مولوی نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں سید سعادت علی رضوی نے "طوطی نامہ اور سیف الملوک" میں ڈاکٹر عمر خاں نے "مینا ستونتی" میں اور راقم الحروف نے "غواصی، شخصیت اور فن" میں یکجا کر دیا ہے۔

متذکرۂ بالا کتب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غواصی ابراہیم قطب شاہ کے عہد (۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۱ء) میں پیدا ہوا، عمر میں محمد قلی قطب شاہ اور اسد اللہ وجہی سے چھوٹا تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی عسرت میں بسر ہوئی۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد (۱۵۸۰ء تا ۱۶۲۵ء) میں اس نے شاعری کا آغاز کیا۔ اور پھر اس نے محمد قطب شاہ

---

[1] مولوی سخاوت مرزا نے کتب خانہ جامعہ عثمانیہ کی ایک قلمی کتاب "نصاب الاحتساب" کے کاتب شیخ حسین بہاء الدین کو جسکا لقب یا عرفیت غواصی ہے۔ گولکنڈہ کا ملک الشعرا غواصی بتایا ہے۔ "ملک الشعرا غواصی" اورینٹل کالج میگزین۔ نومبر ۱۹۵۶ء

(۱۶۱۲ء تا ۱۶۲۶ء) اور عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۷۲ء) کا زمانہ بھی دیکھا۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ کا دورِ حکومت، غواصی کی شاعری کا عہد زرین ہے۔ اس بادشاہ نے نہ صرف اس کی سرپرستی کی، اپنے سفیر کی حیثیت سے بیجاپور روانہ کیا بلکہ اس کو "فصاحت آثار" کے لقب سے بھی نوازا۔

غواصی، حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ (۸۵۸ تا ۱۰۴۴ھ) کا مرید تھا[۲] جن کی مدح میں اس نے متعدد اشعار لکھے ہیں۔ حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری کا مزار نلنگہ (ضلع بیدر) میں ہے، اس مزار کے پائین میں چبوترے پر سنگِ سیاہ کی ایک قطب شاہی طرز کی قبر ہے کہا جاتا ہے کہ یہ قبر ملا غواصی کی ہے۔

جناب قادر محی الدین صاحب (ساکن ورنگل) جن کا تعلق حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ کے خاندان سے ہے، کا بیان ہے کہ ان کے شجرۂ بیعت میں غواصی کے متذکرہ بالا مدفن کا ذکر موجود ہے۔

راقم کو مولوی احمد خاں صاحب درویش کی عنایت سے ملا غواصی کا "بیعتہ المصافحہ" ملا ہے، چوں کہ یہ بالکل نئی دریافت ہے اس لیے ذیل میں اس کو من وعن نقل کیا جاتا ہے

"بیعتہ المصافحہ"

الفقیر الی اللہ ابو محمد غواصی الشہیر ملا غواصی ثم دکنی الغوالکنڈوی فی عہد خاقان السلطان قطب شاہ مد نیو عنہ

صافحها (صافحنی) الفقیر الی اللہ عبد الضعیف ابو محمد غواصی الشہیر ملا غواصی من امام الکاملین رئیس الواصلین العارف باللہ الواصل الی اللہ نبلیوہ قادری حضرت میراں سید شاہ حیدر ولی اللہ قادری

---

[۲] حضرت حیدر ولی اللہ کا مادہ تاریخ پیدائش "شگوفہ ولایت" ۸۵۸ھ اور مادہ تاریخ وفات "تجدید آخری" ۱۰۴۴ھ ہے

مد ظلہ وھو من سید شاہ محمد غوث گوالیاری وھو من حاجی شیخ حمید المعروف شیخ ظہور حاجی حضور وھو من شیخ قاضن وھو من شیخ عبداللہ شطاری وھو من شیخ مظفر وھو من شیخ زین الحق والدین الخوافی وھو من شیخ احمد قونوی وھو من شیخ ابوالعباس قرمی وھو من شیخ ابوالعباس ملثم وھو من شیخ محمد صحابی المعروف شیخ سعید حبشی وھو من خاتم النبین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم ھذا سلسلۃ الذھب تاحال جاری است

غواصی کی تین مثنویوں کے علاوہ غزلوں، قصیدوں اور رباعیوں پر مشتمل ایک دیوان شائع ہوا ہے۔ "مینا ست ونتی" کو ڈاکٹر غلام عمر خان صاحب نے مرتب کر کے شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ سیف الملک و بدیع الجمال اور "طوطی نامہ" کو مولوی سعادت علی رضوی نے مرتب کر کے مجلس اشاعت دکنی مخطوطات حیدرآباد سے ۱۹۳۸ء میں شائع کیا تھا۔ البتہ اس کا ضخیم قلمی دیوان[1] ابھی تک محققانہ ترتیب و تدوین کا محتاج ہے۔ اس دیوان کا ایک ایک انتخاب مولوی محمد بن عمر نے ادارہ ادبیات اردو کی جانب سے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا ہے۔

یہاں دیوان غواصی کے واحد و نایاب مخطوطے سے اس کی چند غیر مطبوعہ غزلیں تدوین متن کے ساتھ پیش کی جا رہی ہیں۔ جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے سادگی اور سلاست، زور بیان، حقیقت نگاری، تاثر کی فراوانی اور سوز و گداز غواصی کے کلام کا نمایاں وصف ہے

---

[1] دیوان غواصی ۔ مخزونہ اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری حیدرآباد۔

غواصی کی پیش نظر غزلوں کے مطالعے سے درج ذیل امور پہلی بار روشنی میں آتے ہیں۔

۱۔ دکنی شاعری میں "ساقی نامہ" کی طرح "پیالا" ایک مستقل صنفِ سخن مروج تھی، جس پر متعدد شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے۔ غواصی کہتا ہے کہ صنفِ "پیالا" کو اگرچہ اور بھی کئی شاعروں نے اپنی طبع کا موضوع بنایا ہے لیکن میرا "پیالا" سب کے پیالوں میں ایک یادگار پیالے کی حیثیت رکھتا ہے۔

"اگرچہ شاعراں بولے ہیں پیالے خوب خوب اما
غواصی کا پیالا سب کے پیالاں میں امر پیالا"

۲۔ بادشاہِ وقت کو مخاطب کر کے شاعر نے ایک غزل کہی ہے جس کا مطلع ہے

غواصی جو جو ناھے ترا داس شہا ؎ جیتا ہے لگ اس لبس ہے ترا اس شہا ار

اس غزل میں غالباً چھٹے قطب شاہی فرماں روا سلطان محمد قطب شاہ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ غواصی گمنامی، مفلسی اور کسمپرسی کی زندگی گزار رہا تھا۔ کوشش کے باوجود اُسے شاہی سرپرستی یا دربار تک رسائی حاصل نہیں ہو رہی تھی۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

جس دردکوں دارو نہیں کہتے ہیں حکوی ؎ اس درد کی دارو ہے ترے پاس شہا
تج لطف کے چشمے کے میٹھے پانی کی ؎ لاگی ہے بڑی آج مجھے پیاس شہا
بن دام معطل ہے مرا کام تمام ؎ تج مہر سوں کر دور لو افلاس شہا

۳۔ ایک غزل میں مملکت گولکنڈہ کے ساتویں بادشاہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عشقیہ کلام کی ستائش کی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "شاہ" کے محبت بھرے گیت اور غزلیں "عشق بازوں" کے لیے آبِ حیات کے چشمے بن کر انھیں بقائے دوام عطا کرتے ہیں۔ قطب جہاں، بادشاہِ سخن بھی ہے۔ اس لیے اس کے کلام کو عرش سے ملا تک آکر" آرزو سوں لکھ لے جاتے ہیں" "شہ" کے کلام کی لطافت، پاکیزگی

اور نزاکت کو دیکھ کر فن شعر کے ماہر صبا کتنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غواصی یہ بھی کہتا ہے کہ بادشاہ کے سخن پر میں کیوں نہ قربان ہو جاؤں کہ جس کا سخن میرے من کے درپن کو صیقل کر کے اسے شفاف بنا دیتا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ "جگت گرو" کی طرح غواصی نے اس غزل میں عبداللہ قطب شاہ کو بھی "جگت گر" اور "مہابل" کے نام سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے لیے یہ دولت ہی بہت ہے کہ "شاہ" نے مجھے یاد کیا ہے یہ غزل غالباً غواصی نے دربار شاہی سے اپنی وابستگی کے موقع پر کہی ہے۔ جہاں تک عبداللہ قطب شاہ کی شاعری کی قدر و منزلت کا تعلق ہے غواصی نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ عبداللہ ایک خوش گو شاعر ضرور تھا لیکن اس کے فکر و فن میں گہرائی اور گیرائی نہیں ملتی۔ ایک درباری شاعر کی حیثیت سے غواصی نے بالکل اسی طرح اپنے بادشاہ کے کلام کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس طرح ملک الشعرا نصرتی نے علی عادل شاہ شاہی کے کلام کی داد دی ہے۔ چند شعر دیکھیے۔

خیالاں شاہ کے چن چن بچن نادر جو لیاتے ہیں
دلاں کے آسماناں کے ہو تارے جگمگاتے ہیں

غزل ہور گیت ہر یک جو کہتے ہیں عاشقانہ شہ
جھرے امریت کے ہو عشقبازاں کو جلاتے ہیں

بچن قطب جہاں کا ہر بچن کا پادشہ ہے کر
ملک آ عرش کے لگ آرزو سوں لک بجاتے ہیں

لطافت ہور نزاکت سوں بھریا سو شعر سن سنہ کا
صفا پا مرحبا نپجیں جکوی کامل کہاتے ہیں

نہ کیوں قربان ہوؤں اس سجن کے ہر بچن پر میں
کہ صیقل ہو کے میرے دل کے درپن کو منجاتے ہیں

مہابل اس جگت گر شاہ کے سارے غلاماں ہیں
یہی دولت مجھے بس ہو غواصی کوں بلاتے ہیں۔

۴ ۔ ایک اور غزل میں وہ کہتا ہے کہ میں "شہ کی مجلس کی زینت" اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک اپنے آپ کو سر تا بہ قدم "در شہوار" نہ بنا پاؤں۔

غواصی شہ کی مجلس میں نہ پاسوں تو تلک زینت
جو سر تھے پانو لگ اپس در شہوار نا کر سوں

۵ ۔ ایک غزل میں محبوب کے ناز و انداز اور اس کے خوبصورت اعضائے جسمانی کی دلکش اور انوکھے انداز میں تعریف کی ہے۔

اے چھبیلی آج تیرے چھند ہور چھب کوں سلام
تجہ گلابی گال کوں ہور اس میٹھے لب کوں سلام
اس تیرے بالاں کوں، ہور اس مست انکھیاں کوں دعا
ہم گھنگروالی تیری بالاں کی کھب کھب کوں سلام
رجھ رجھ محبوب پر خوش آج غواصی کیا !!
سر تھے پاواں لگ جتنے ہیں چھب تیرے سب کوں سلام

۶ ۔ شکر اور نمک کی ردیف میں بھی غواصی کی ایک ایک خوبصورت غزل موجود ہے۔

شکر لباں کی آج توں سرتاج ہے کر، ہر گھڑی
ابلوج ہور نایاب کوں جاتی ہے سمجانے شکر !

غواصی بولتے ہیں غزل ہے شبل جو ابیات توں
مسلح تھے ہے مقطع تلک اول شکر سر تے نمک

راقم الحروف نے "غواصی، شخصیت اور فن" کے موضوع پر ۱۹۷۰ء میں ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب میں غواصی کے حالات اور کلام پر نقد و تبصرہ کے علاوہ دیوان غواصی کے مخطوطے کی کیفیت بھی بیان کی گئی ہے (محمد علی اثر)

(۱)

عجب کچھ صاف درپن ہے ترا مکھ جوت ظاہر کا
کہ اس میں محض دستا ہے تجلی عین قادر کا
تج اوپر وار نے جانا دکھیا ہوں بھر شد دیساں تھے
جما کر جوہراں بیحد دریا ہو یں جواہر کا
نہیں لئی عاشقاں سارے اسی کوں عاشق نادر
تجلا بھی عاشق ہوا ہے جیو سوں معشوق نادر کا
تماشے کوں نکل یک دو قدم باہر وزو نے تھے
کھڑا ہے منتظر تیرے کر درس تیں خلق باہر کا
مسافر ہو یو دل پکڑیا ہے تج سنگ ریگ کی مارگ
دعا کرتوں جو ہووے عاقبت خیر اس مسافر کا
ہوے ہیں نین تج ماہر ہنر میں جیو لینے کے
نہ جانوں کون ہے استاد تج دو نین ماہر کا
تجے دیکھے تو غواصی کے دل تھے شعر ابلتا ہے
تجے دیکھے پہ کئی بن شعر جیو رہسے نہ شاعر کا

(۲)

عاشق قدیم ہوں میں تیرا نہ آج کل کا
ہم دو کے درمیانے یو عشق ہے ازل کا
دن دن حیات تازہ دیتا ہے دل کوں میرے
تیرا ادھر جو چشمہ امرت کی ہے جبل کا
سروان میں سب چمن کے بیچ باغ کر کھلایا
جو تج سرو پہ بالا ہے سرد پھول کمل کا

عہ جمع کر

پھرتا ہے توش دواتا ہو اُس پاس تیرے
سیرا جیا بھنور ہو تج سوکر کے کمل سکا
تیرے جمال کیرا بازار گرم دیکھ آج لا
سر دھو رہیا ہے (چندا) اسمان کے منڈل سکا
(عشاق) کے دلاں کے گل سکا ہوا ہے پھانسا
ہر یک تار نازک کھلی تری کنتل سکا!!
صدقے علی ولی کو (ن) رات لگ رہیا ہے
سلطان عبداللہ خوش ہو لال تیرے گل سکا

---

(۳)

اے یار اگر توں یار ہے تو سُن نصیحت یار سکا
اغیار سوں یاری نہ لا سنگ دور کر اغیار کا
دل ہور جیا سات آس توں کیتا ہے جس دلدار کی
جیا ہے لگ نا چھوڑ دے درگاہ اُس دل دار کا
دانی دلاں ہیں جاں تلک عاشق کیا اس لال کے
دیدے ہو دھنڈتے ہیں ادک دھر آرزو دیدار کا
اس گردش گردوں کی سرگرانگی تھے ہات دھر
سکہ دکہ کوں دے کے جان لے شد چھوڑ دے سنسار کا
ہوں اس رنگیلے لال کی دوری تھے لاغر یوں ہوا
جرچھا نو گوں لو دور نیں تن کوں جنتر کے تار کا
کیں بگ تھے یک سخت تر دیکھیا گیا نیں ہے ولے
ہے ننگ تھے ان سخت ترنیں درد جس اس یار کا

لوگاں جسے خورشید کر کہتے جو ہیں تر لوک ـــ کا
لالا کہ جان اس لال کی جھلکار کے گلزار کا
عاشق ہے آتش خوار جیوں ہور عشق انگارے کے سار
ہے اس انگارے تھے سدا جینا اس آتش خوار کا
شیریں شکر ہور شہد تھے غواص کا ہے شعر کر
کہتے ہیں سارے عاشقاں ہے اس عطا کرتار کا

---

(۴)

غواص جو جونا ہے ترا داس شہا — جیتا ہے لگ اس بس ہے ترا آس شہا
جس درد کوں دارو نہیں کہتے ہیں جگ کوئی — اس درد کی دارو ہے ترے پاس شہا
تج لطف کے چشمے کے میٹھے پانی کی — لاگی ہے بڑی آج مجھے پیاس شہا
بن دام معطل ہے مرا کام تمام — تج مہر سوں کر دور یو افلاس شہا
عالم پہ تری چھانو اچھو ارزانی یا — جب لگ ہے دھرت ہور یو آکاس شہا

---

(۵)

پیا کے مست ادھر کی مد کی پایا جب خبر پیالا
پرت والیاں کوں شکرانے کی بانٹیا تب شکر پیالا
صراحی گردن اونچی کر اُس سوں آئے خدمت میں
کیا اپنی محبت ہور کرم کا جیوں نظر پیالا
جو زاہد مئے تھے منکر ہو اوک پرہیز کرتا تھا
خراباتی ہو آخر ... ... پر پیالا
طلب پیالے پہ نت پیتے ہیں پیالا اس سب شاہاں
جو رازاں عین باطن کے کتا ہے کھول کر پیالا

جو کوئی عاشق ہو پیالا پیوے نے جا بینا یقین جانو
اُسے ہرگز نہ کر سکے کدھیں کوں بے خبر پیالا

(مری) ہستی منے بستی سو ہستی کد نہووے خالی
کرم کر ساقی کوثر دیتے ہیں منجکوں بھر پیالا

. . . ۔ مشرکے بدل مدنور کا بھر روز لیا تا ہے
جو مشرق تھے نکل آتا ہے سورج کا کتر پیالا

. . . ۔ شاہ عبداللہ کا پیار پیالے پر ادک ہے کر
صبا اُٹ رقص کرتا ہے خوشی میں خرش اثر پیالا

اگرچہ شاعراں بولے ہیں پیالے خوب خوب اما
غواصی کا ہے پیالا سب کے پیالاں میں امر پیالا[۱]

(۶)

آج نس پیو مرے سیج پر آویں تو بھلا
چاند سو جا کے اپے رنگ کوں جگاویں تو بھلا

جیوں کلی کو نہ اچھوں کد تلک اپس کوں رکھوں
پھول کر آج مرے دل کوں کھلاویں تو بھلا

ہے ادھر سائیں کے امریت دیے پیار کر رنگ
رنگ پیاسی کوں وو امریت پلاویں تو بھلا

ایک دل بات لیے تو ہے کتے یک ثواب
یو ثواب آج مرے لال جو پاویں تو بھلا

اے سکیاں بانہہ پیا کا ہے سپا نو سر ہار
آج وو ہار مرے گل منے پاویں تو بھلا

رنگ میں لی چھند پیا کوں ہے رجھانے کے ولے
چھند پر رنج مرے ذوق میں آویں تو بھلا

گر گلا جو بن کے مرے جیت لئے قطب جہاں
فتح و نصرت کے طبل آج بجاویں تو بھلا

---

[۱] غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ "پیالا" دکنی شاعری میں "ساقی نامہ" کی طرح ایک مستقل صنف سخن تھی۔

(۷)

سمندر سکیاں ہو دیکھو اس لال کا جمالا ! جس لال کے بھنواں کلے ہے عکس چاند بالا
مدپی نین کھلا نے پر دو ھوس کیا ہے آدر مل اس پلادیں بھر کوئی یکیک پیالا
قصے تو عاشقی کے لی جگتیں ہوں گے اتا تھا ہمن پرت کا سب تھے ہموار سالا
نکھی ہمن دلاں کے سارے رہے اُلج کر جیوں لال کا اجالا پایا ہمن پہ جبالا
گنبر اس سجن کی پرت کے سمندر اں کی دستا ہے قعر دریا منج آج مرد بالا
تشبیہ اس کے مکھ سوں کیوں دیوں چاند مکوں میا کاں بے بہا یتولا کاں کم بہا چوالا

تحقیق کر سیج آج امرت تھے اسے عنوامی
فاضل ہزار جاگا پیو کا ادھر ہے آلا

---

(۸)

تج سکان پر جھکتا جوتی دو گوش پارا دستا ہے منج ثریا سکا عین جیوں ستارا
جھی ٹی تری مدھاری چھپ سوں سہا نہاری لبدا لے گئی ہماری سدھ چھین ایکبارا
تج بھواں جھے ہے آیا ہیج نون اس نون پہ ہے اجنوں گزریا ہے دور مجنوں بو دور (ہے ہمارا)
توں چلبلی بیٹا ہے تو جگ میں غل اٹھیا ہے دو زلف جو چھپیا ہے پھکارا ــ ــ ــ
چوندھر کھلے بس چھپنا گمنا تو تج سوں گمنا لیکے آرزو ہے ہمنا دن رات اسے لگارا
ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ ــ اس جیو کوں کیا پیتیا نا اسے جیو ہے بادبارا
ــ ــ ــ ــ بالی ــ ــ چترھالی عاشق ترا ہے بالی ہم جیو کا ہے پیارا

---

(۹)

مجکوں عاشق ہو آیا ہے ازل تھے اس پرانی کا
اسے پروا نہو سے کچھ دنیا کی زندگانی کا

عدا لمکر

گدا اسیرت ہاہے کر ظاہر نہ پوچھو اس کے عاشق کوں
کہ پایا ہے وو باطن میں خلافت خسروانی کا
سجن کے وصل پیالے کا میسر ہر کسے کاں ہے
جسے اینپڑیا سو اینپڑیا یو قضا ہے آسمانی کا
ازل تھے عشق کا پرتو پڑیا ہے جس کے دل اوپر
سو کیوں وو دل نہ جھلکے تن .... نی کا
گیا ظلمات میں یو جیو عجب امرت ہے اما کوئی
خضر ہو گا سو پاگا بات اس .... پانی کا
بہوت منصور دیکھیا ہوں دغا کھائے ہیں اس جا گا
چھپا لینے نہ سک اپ من میں راز اسکے نہانی کا
غذا جی عاشقی کر لا ابالی ہور خوشحال اچھ
کہ تج پر سرفرازی کا نظر ہے اس پرانی کا

---

(۱۰)

جن تجکوں ایسا روپ دیے اپروپ کر پیجا کیا
تج گال کالٹ شام میں کیا خوب دیوا لا کیا
روشن ہے جگ تج بھان تھے نازک ہتیلیاں پان تھے
تج سار تن کیں کھان تھے اجنوں نکل نیں آ کیا
وو پھند نا لک چھند کا نیں مثل بے انند کا
تج دھن کے بازو بند کا خوش منج رچھا لبدا کیا
سر پاؤں لگ تج آج دیں جو دیکھتا ہوں خوب تھا
تیں بول رکھنے ٹھاؤں کیں تو جیب ترا منج بھا کیا

کھونپا جو گماں ہنچ کر بیٹھے مرا سد پیچ کر
تو چاند اپس کوں ہیچ کر تج حسن انگے دکھلایتا
شیریں سو تیرا نام ہے خسرو سو تیں تج قام ہے
تیرا ادھر جیوں جام ہے اس کا لذت ہیں پایا
تج سات اے سودھن سکھی غواص ساری رات لڑ
تج جوبناں کے دوی گرما خوش دست کر ہلکا کیا

---

(۱۱)

کل ہنج پلایا سو توں کیسا شراب تھا — کہنا کہ ہنج سنے تو کچھ نہ تاب تھا؟
...... صبا تلک ایک رنگ آئے سجن — خلوت تمام تج سوں ہنجے بے حجاب تھا
مکھ ٹا ترا جھانے انیدی جب آنکھ کھول — سو ود جمال تج مکھ جیوں آفتاب تھا
دو تن ملا لیے تھے ولے اس وقت پہ ہیں — موں کھول بول کچھ نہ سکی وقت خواب تھا
ملیا ترے خیال ہیں یوں محو ہوئے تھے جو — توں ہیں سکیئے کی بات کوں ناواں جواب تھا
چنگ ہور رباب مست ہوئے تھے اپس ہنے — لذت سو راگ رنگ ہیں تو بے حساب تھا

غواص کل وصال کی لذت تھے میرا دل
مقصود ہور مراد سوں خوش کامیاب تھا

---

(۱۲)

ٹیلا سجی تیرا اچھ رہی پیشانی کا — ہنچ آنکھ تلیں جھمکے تارا ہو بہانی کا
گالاں پہ الک بکھرے یا لہر ہیں دریا کے — یا نقش سُنے کے دو ورقاں پہ ہے مانی کا
یا تل ہے ادھر پر دو یا خضر کھڑا ہو کر — دیتا ہے نشانی ہنچ امریت کے پانی کا
یا بات توں کرتی ہے یا پھول لگے ہیں تھے — جھڑتے ہیں رنگا رنگی یو چھب ہے نوانی کا
ہنچ من کوں ترے دو کیچ لبدا کیسے پک کا کچ — سیچ پچ تو عجائب کچھ ہے رمز نہانی کا

یو ندق بڑائی منج جو خوب کہتے ہیں سب ۔۔ یکرنگ فلانا سو عاشق ہے فلانی کا
لگ رہ ترے کمرے سوں جھلتا ہے ادھر پر خوش
غواص جو موتی ہے دریائے معانی کا

---

(۱۴۳)

۔۔۔۔کون خلوت کا ادل گمنے کوں جیا گا دیکھنا
باطن کی انکھیاں سوں بزاں جو سکہ دکھا گا دیکھنا
جاں جاں منج اس کا خیال لے جاتا ہے تاں تاں جانوں ہیں
اجنوں نہ جانوں پیشتر کاں کاں لجا گا دیکھنا
اس کے نظاریاں میں کیتے اکثر رجھانا بھوت ہے
آخر نظاریاں سوں منجے کیوں کیوں رجھا گا دیکھنا
میرا دروں نابرہ کا اندکار بھر جیوں رین ہے
اس رین کا وو چاند ہو کر جگمگا گا دیکھنا
مخفی دلاں کوں مست وو کرتا کہ پایا ہوں ادک
منج دل کوں کیا مست مد مخفی پلا گا دیکھنا !!
مانجا گیا ہوں عشق سوں سب تن ہوا ہے آرسی
اپنے مقابل کوں لجا منج بیلا گا دیکھنا
غواص دل دریا منے پانے کوں موتی عشق کا
ڈبکی تو کھایا ہے نکل کاں کاں تھے آگا دیکھنا

---

(۱۴۴)

۔۔۔ن اے محبوب آتے ہیں حبیباں سب
دکھا درس جو ہوویں راک جل رشکوں رقیباں سب

جدھاں تے درد کا پانے لذت تج عشق کی دولت
ندھاں تھے دھو سٹے جل میں بتاں اپنے ۔۔۔
کھڑے ہیں تج تلے تل آتشیاں عشقباراں کے
نظر کر جو کھلیں انکہ عشقبازاں کے تقیاں سب
ستم تج پھول کا پاس آج بارا لے گیا بن میں
اسی تھے مست ہو بے سُد پڑے ہیں عندلیباں سب
غو آمی کے تن تج کوں سرانے تو انبر ہیا نے
فرشتے شاعراں ہو کر کیے ہیں تیز جیباں سب

(۱۵)

عشق تیرا شور اُچایا آج منج من میں عجب
یعنی عاشق کوں رجھانے کے اہے فن میں عجب
کس گھڑی پی ہے کی مد اجنوں خماری کا لھار
ناز سوں کھلتا ہے تیری مست لوچن میں عجب
(چاند) ہو آئی ہے توں منج گھر منے تو آج رات
ہے اُجالا صاف سیکر گھر کے آنگن میں عجب
۔۔۔ پتلیاں مریاں حیران الیس میں ہو رہیاں
دیک خدا کا نور تیرے مکہ کے درپن میں عجب
۔۔۔ دیکھیا جا پھول باڑیاں میں د سلے
پھول نیں دیکھیا تج ایسا بھی کسی بن میں عجب
رات ہور دن ہو بسرے تج زلف ہور رخسار کے
چاند ہور سورج کے حلقے بالی کن میں عجب

ایک دل یکجیت سوں غواصیؔ لگا یا دل تسوں
نہر ھور یاری، محبت دیکہ تج دھن میں عجب

(۱۶)

مطلعٔ خوبی سو تیرا گال ہے اے ماہتاب
مطلع اس خوبی سوں بولیا ھوں جو نیئں اس کوں جواب
جگمگا تا سورچوتھے اسماں اپر ال سکا
عین تیرے نور کے سمدور کا ہے جیوں حباب
آرزو دھرتا ہوں آج، ایک بات کر منج سات توں
منج لکھیں الحق تری یکبات ہے جیوں سو کتاب
پھول تو نازوک ہے ساریاں تھے لطافت میں ولے
پھول بی رکھتا عجب ہے تج لطافت کا رکاب
میں ازل کے دیس تھے آیا ھوں عاشق ہوے کر
سو سنے خاطر کوں تیرا لطف ہور تیرا عتاب
زلف تیرا جیو ترے رخسار سوں گمتا ہے تیوں
رات ساری تج سوں لن گمتا صبا لگ بے حجاب
مدعا بر لیا مرا اے رنگ راتی لے دعا
ہر گھڑی غواصؔ عاشق کا اہے تج لگی صواب

(۱۷)

رنگ بھریا منج گھر میں آج آیا بسنت عیب تھے تازا طرب لیا یا بسنت
جیوں اجھال یکدے تھے چھیا آفاق پر رنگ کا برسات برسا یا بسنت
تازگی سوں پھول منجے کھل تمام ہر طرف تھے آج ھکا یا بسنت

رنگ بھریاں کی بزم کوں بھو رنگ سوں کر بہارستان دکھلایا بسنت
لا صراحی کوں پیالے سوں گلے سر خوشی کا کام فرمایا بسنت
عاشقاں کوں سند تھے معشوقاں کے آج عشق کے جالے میں الجایا بسنت
لک دعا کر آج مج لک ذوق سوں تخت پر عشرت کے سلایا بسنت
کھول شہپر جیوں ہما اقبال کا
چھانو ہمیشہ سب پر چھایا بسنت

---

(۱۸)

دھرنا کر ہر دنا توں مرے ایسے لگار ہات کرتا ہوں تج دعا میں اُچا بار بار ہات
عالم کے سب پریاں میں تجے انتخاب کر پکڑیا ہے آج تج کوں خداوند گار ہات
روشن چراغ دیک ترے خاص گال کا ہر رات چاند لیوے لکہ اوپر اتار ہات
تیرے جمال سات نہ پہنچا ملا سکے دھرتا ہے آفتاب اگرچہ ہزار ہات
پانی میں چھپ رہیا نہ نکل لاج تھے کمل نازک نرم دیکھ ترے دو ہنوار ہات
نکلے تو سیر کرنے چمن میں تو خم ہو سرو دوڑائے تیرے پاؤں پڑے اختیار ہات
مہندی توں لائی ہے سو منجے محض یوں دسے جیوں عاشقاں کے لہو سوں کیے ہیں لگار ہات
سو کیاں سوں دو طرف تھے نین چلبلے ترے جیوں لشکریاں کھڑے ہیں لے تنگی کٹار ہات
روں روں شگفتہ ہوئے مرا جیوں بہار آج تیرے دو جوبناں کے چڑیں گر انار ہات
بیتاب ہو پڑیا ہے مرا جیو فراق تھے دے آج ہر سند سوں اس اسے گل عذار ہات
رکھیں ہزار شب قدر ہے کہ جان تج زلف تھے لگے مج اگر یک دو تار ہات
غواص عاشقاں میں کرے کیوں نہ ناز آج
تج سار کا چڑیا ہے در شاہوار ہات

۱۔ لکھا ہے ۲۔ دفع ۳۔ ساتھ

(۱۹)

آج تو ہے بخت جو آئی سعادت کی رات
چاند سوں میکر ملا غم تھے منجے دے نجات

گھر سب اجالے سوں بھر سیج کے پھولاں تمام
میری نظر میں دسیں آج ستاریاں کی دھات

جب تھے مرے کان میں بات پیا کی پڑی
تب تھے سٹھا ہور دیا ذات مرا جیوں نبات

خط سوں ادھر کیا ہے کریں جو کہی تو کھیا
خط سو ہے ظلمات جیوں ہے ادھر آب حیات

روپ مرے لال کا آئے نہ تحریر میں
چاند عطارد اگر ہو دیں قلم ہور دوات

اس کے قد آنگے ستم کرنے سرو کوں خجل
باد اڑاتا پھرے چمنے چمن پا تے پات

پھول ہو کیوں نا کھلوں پیو کے کرم تھے غواص
ہات چڑی ہے مرے آج خوشی کی برات

---

(۲۰)

جب عاشقاں دل میں ہوس پیدا کیے کھانے شکر
تب قدسیاں دکھلا دیے تج لب کے دریانے شکر

تج موں کی لذت کے بدل پیدا کیے دیک شیریناں
شیرا ہو اپنی ذات سوں تب آئی دریا نے شکر

شکر لباں کی آج سرتاج ہے کر ہر گھڑی !!
ایلوج ہور تا بات کوں جاتی ہے سمجانے شکر

موں کھول توں ہنستے براں دو رس بھرے تیرے ادھر
تقصیر نیں کرتے ہیں کچ عالم پہ برسانے شکر !!

نادر ہو توں پہنچی ہے لگ جگ میں خوشیاں سوں پانٹنے
اسمان کی گاڑی میں بھر قدسی لگے لیانے شکر

تیرے ادھر امرت کے چشمے کوں دیکھ سب سے بغیر
قدرت نہیں جو کر سکے سرگرداں ہو کچھ بھانے شکر

غواصؔ تیری مدح میں بولیا ہے دیکھت یو غزل
ہر بیت کے نقش جیو کا تعویذ کر با نے شکر

---

(٢١)

کیا نکے نہ منج انکھیاں تھے ترا اے نگار نقش
بس ہے تمام عمر میں اے یادگار نقش

باطن میں دیکھتا ہوں تو خوش روپ سوں ترے
پکڑیا ہے دل تمام انگوٹھی کے سار نقش

حیران ہو، جمال ترا دیک، ہر گھڑی
چھنتے ہیں آج چاند پہ تارے ہزار نقش

ہرگز مری نظر میں نہ آوے جو عرش تھے
قدسی ہزار چھند سوں لیاویں چنار نقش

مانی ہو آج منج کوں ترے حسن کا خیال
لے سُد کرے سُنے کی پٹی پر منوار نقش

جنکوں رات دیس ترے غم سوں شاد ہے
باندے نہ اس کے دل پہ غم روزگار نقش

غواصؔ جو کہیا ہے ترے نقش کی غزل
سُن عشقباز رکھیے سینے پہ مار نقش

---

(٢٢)

معشوق وے جو اس تھے کچ ذوق پائے عاشق
دیکھت جمال اس کا بے سد ہو جائے عاشق

معشوق وے جو اس کے عشق ہور وصال پر تھے
ہوتا اچھے زیادا ہر دم صفائے عاشق

معشوق وے جو اس کے آب حیات ایسے
نرمل بچن ادھر تھے ہو سیر کھائے عاشق

معشوق وے جو اچھے اس کے میٹھے بچن سن
دریا نو لگ لیکل جا پانی ہو رہائے عاشق

معشوق وے جو اٹھے جس باٹ میں قدم وو
اس باٹ میں فرش کر دیدے بچھائے عاشق

معشوق وے جو زینت ہور زیب دیکھ اس کا
ہر بال کوں زبان کر ہر دم سرائے عاشق

معشوق وے جو اس کی چھند بند دیکھ تل تل
سطلق غواص نمنے حالت میں آئے عاشق

---

(۲۳)

صاحب جمالاں یاد جب تج حسن کا کرتے نمک
لاجوں تھے گل جا آپنا ظاہر کرن ڈرتے نمک
مجنوں ہو سارے قدسیاں گھر گھر اچاتے شور آج
رخسار حوراں کے اگر ذرا ترا دھرتے نمک
کالے بھنور سے جو الک تیرے چھٹے ہیں دو طرف
سو حسن کے اسمان کے بادل ہو خوش جھرتے نمک
سب عاشقاں کے جیو پر یکدم تھے سٹنے بدل
تج لب دو منترکار ہو تلتل کوں منتر تے نمک
پا بھیک تیرے دان تھے چندا پنم کا ھر رین ا
جاگیر ہو اسمان کا تاریاں میں جابرتے نمک
دیدے ہو دریائی مرے تج حسن کے دریا پہ چڑ
کشتیاں میں دل ہور جیوں کی تج ناز کا بھرتے نمک
غواص یو شیریں غزل بے مثل جو بولیا ہے توں
مطلعے تھے ہے مقطعے تلک اول شکر سر تے نمک

---

(۲۴)

مکھ ترا گل ہے من مرا بلبل
پھول رنگا رنگی جھڑیں کھل کھل
مست ڈولتی چمن میں جب توں آئے
چار قُل کے بدل سجن بس ہے
گھابرے دل ہوے دلاں کے جب
ریخ کوں لیداں جو بناں تیرے
کیوں سراوے نہ سب اسکیاں میں تج

دیکھ اس گل کوں ہوویں پل پل
جب ادھر کھول توں ہنسے کل کل
رک چمن تے دیویں سما ڈل ڈل
تیرے ہت کی صراحی کا قل قل
تج نین ناز کا چڑے دل دل
گانٹ چولی کے جائیں جب کھل کھل
ہر گھڑی شاہ عبداللہ کھیل کھیل

(۲۵)

اے چھبیلی آج تیرے چھند ہور چھب کوں سلام
تج گلابی گال کوں ہور اس میٹھے لب کوں سلام
اس تیرے بالاں کوں ہور اس ست انکھیاں کوں دعا
ہم گھنگر والے تیرے بالاں کی کھب کھب کوں سلام
نازسوں گردان ڈب ڈگ ڈگ جو آتی ہے ھلوں
اس ھلوں آنے کی ڈگ ڈگ کوں ہور اس ڈب کوں سلام
ہے مرا مطلب یہی جو دل میرا لیوے سدا
ہم میرے دل کوں ھلا ہم تیرے مطلب کوں سلام
ربیع رج محبوب پر خوش آج غواصی کیا
سر تھے پاداں لگ جتے ہیں چھب تیرے سب کوں سلام !!!

(۲۶)

گذری ہے آدھی رات میں اس رات جاوں پھیر کاں
سنگات تیرے آوں گا ہے کہ تیرا مندھیر کاں
بھو تیج ہوا ہے دل میرا رنج تھے دوانا اے سکی
جو ٹک رکھوں اس بند کر تج زلف کا زنجیر کاں
دیکھیا ہوں تصویراں بھوت بے مثل تصویراں ولے
اے دھن تیری تصویر سا عالم منے تصویر کاں
آچھا ٹمک رتج حسن کا بھید پایا ہے من میں خوب سب
جا کا تل اتنا نیں کہیں بھی میں لگاوں چیر کاں

سینا کیا ہوں ہیں صدف ازما کے دیکھوں گا ٹک ایک
دھرتا ہے صافی کس دغا تیکر پلک کا تیر کاں
سب عاشقاں معشوق تھے اپنے ہوے ہیں کیمیا
جو دو ہوے تیوں ہو روں ہیں تج عشق کا اکسیر کاں
عالم بحث کرنے کتے آتا ہے بتج غوّاص سوں !!
یے سد کروں گا ٹک اسے تج حسن کا تفسیر کاں

---

(۴۷)

خیالاں شاہ کے چن چن بچن نادر جو لیا تے ہیں
دلاں کے آسماناں کے، ہو تارے جگمگا تے ہیں
غزل ہور گیت ہر یک جو کتے ہیں عاشقانہ ش
بھرے امریت کے ہو عشق بازاں کوں حبلا تے ہیں
بچن قطب جہاں کا، ہر بچن کا پادشہ ہے کر
ملک ہو عرش کے لک آرزو سوں لک لیا تے ہیں
لطافت ہور نزاکت سوں بھریا سو شعر شہ کا
صفا پار صبا بھیجیں جگوی کا ل کھا تے ہیں !!
علی شاہ ولایت کی عنایت کا نظر ہے کر
تو یے مضمون اَبل یوں شاہ کے دل میں تھے آتے ہیں
جہاں تاں جگ میں پیکر دیکہ جو تی شاہ کے باتاں
رتن کھاناں کے ہور موتی دریا کے رشک کھا تے ہیں
بلاغت ہور فصاحت میں نہیں اس شہ کوں جوڑا کر
چتر دھور سور مکلے ملک نس دن جیا سرا تے ہیں

نہ کیوں قربان ہو وُوں اس سجن کے ہر بچن پر میں
کہ صیقل ہو کے میرے دل کے درپن کوں منجا تے ہیں
وہایل اس جگت گر شاہ کے سارے غلاماں ہیں
یہی دولت سنجے بس جو غلامی کوں بلا تے ہیں

---

(۲۸)

نہ کوئی معشوق یاں ایسی جو اس سوں لا نوجا دل میں
نکوئی عاشق ہے یاں ایسا جو بیسوں دل سوں ٹک مل میں
کہاں ہمدرد وو میرا جو یک تل اس سوں ہمدم ہو !
اپس پر کیوں کر آسان غربت کا یو مشکل میں
کسی ڈالی پہ اس بن میں کھلیا وو پھول نیں دستا
بھنور جس پھول کا ہو کر رہا ہوں جیو سوں مائل میں
نجھا نے آرسی میں مکہ اسے عادت ہے کر دایم
رہیا ہوں آرسی کر صاف دل اس کے مقابل میں !!

---

(۲۹)

میں اپنا عشق باطن کا کسے اظہار نا کر سوں
درو نے میں کے باتاں کیں یکا یک بھار نا کر سوں
خوشی تو مکھ دکھائی ہے ولے سوگند کھایا ہوں !!
کہ جیسی منج خوشی ہوی بی بغیر از یار نا کر سوں
نہ کر سوں آج تھے رندی نہ پی سوں مد کے پیالے کر
گیا تھا لئی براں توبہ ولے اتبار نا کر سوں

حل اس کے زلف سوں ایک ہور نے بنج کاں سکت ہوئے گا
تنگ دبلا کر اس تن کوں جو باریک تار نا کر سوں
خضر کے سار ہووے باج اس امرت کے چشمے تیں
جھیٹں ہد تام اپس کوں یں سکندر سار نا کر سوں
بڑی چنچل ہے وو نقطے نمن چپکے سنبڑ سی نا !!
اگر چو ند حصیر یں اس کے اپس پرکار نا کر سوں
غوامی شہر کی مجلس یں پیا سوں تو تلک زینت
جو سر تھے پانو لگ اپیں درشہوار نا کر سوں

محمد قلی کی شاعری

دکنی شاعری اپنے مخصوص تہذیبی رجحانات، صحت مند ادبی روایات اور اپنے ماحول سے اثر پذیری کی وجہ سے اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نمایاں اور منفرد مقام رکھتی ہے۔
مملکت گولکنڈہ کا پانچواں فرماں روا، سلطان محمد قلی قطب شاہ، اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر ہے، جسکا مکمل دیوان عہد قدیم ہی میں مرتب اور مدون ہو چکا تھا۔ محمد قلی کا ضخیم کلیات پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں غزل، قصیدہ مرثیہ، رباعی وغیرہ تمام اصناف سخن موجود ہیں۔ مثنوی اور رباعی کی صنف کو چھوڑ کر محمد قلی کا تمام کلام غزل کے فارم میں ہے۔ غزل کے لیے جس داخلی کیفیت اور خارجی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، وہ محمد قلی کو میسر تھا۔ اسی لیے غزل اس کی محبوب سخن بن گئی۔ اس کی وہ تخلیقات بھی ڈاکٹر زور نے جن کے عنوانات قائم کیے ہیں دراصل مختلف موضوعات کے تحت کہی ہوئی مسلسل اور مربوط غزلیں ہی ہیں۔

دکن کے دوسرے اہم شاعروں کی طرح محمد قلی کی شاعری کی نمایاں خصوصیت سادگی بیان اور واقعیت ہے۔ اس نے اپنے مشاہدات، محسوسات اور تجربات زندگی کو سیدھے سادھے الفاظ میں حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ محمد قلی کے کلام میں سوز وگداز ہے اور نہ فکر کی گہرائی، درد وغم کی فراوانی ہے اور نہ نشتریت۔ اس نے اپنی زندگی کی بہاریں عیش ونشاط اور راگ رنگ میں گزاریں۔ اسی لیے اس کے کلام میں رنگینی و رعنائی ہے۔ سیرابی و سرمستی ہے۔ تازگی و شگفتگی ہے غرض آسودگی کے تمام روپ اس کی شاعری میں جلوہ گر ہیں۔ وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ اس کے محلوں میں مختلف ممالک کی منتخب حسینائیں موجود تھیں۔

اس لیے اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کے آسودہ نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ محمد قلی کی شاعری اس کی رنگارنگ شخصیت کا آئینہ ہے۔ اس نے اپنے کلام میں اپنی بدنصیبی کا شکوہ کیا ہے اور نہ ناکامی و محرومی پر آنسو بہائے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو مسرور رکھا اور خوشی کے اظہار کے لیے نبیؐ اور علیؓ کا شکر بجالاتا رہا۔ اس کے کلام میں دل کو پگھلانے والے اشعار نہیں ملیں گے بلکہ جھوم جھوم کے گائے جانے والے مدھ بھرے گیت ملیں گے کیف و سرور اور نشاط انگیزی ملے گی۔ چند اشعار دیکھیے۔

نبیؐ صدقے بارا اماماں کرم تھے	کر عیش جم بارا پیاریاں سوں پیارے
صبا ہی او مکھ دیکھ پینا شراب	فرح بخش ساعت میں لینا شراب
ساقیا آ شراب ناب کہاں	چند کے پیالے میں آفتاب کہاں
نبیؐ صدقے قطب جم عیش کر عیش	کہ تجھ در پر کھڑے ہیں فتح و اقبال

محمد قلی ایک کثیر المحبوب شاعر ہے اس نے اپنی بے شمار محبوباؤں کی تعریف و توصیف میں متعدد غزلیں کہی ہیں۔ محمد قلی کے کلام میں محبوب کی جنس مبہم نہیں رہتی بلکہ واضح طور پر اس کے لیے صیغہ تانیث استعمال کیا گیا ہے اور برملا انداز میں اس کو سانولی چھبیلی، سہیلی، گوری، سندری، پیاری، رنگیلی وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

محمد قلی نے اپنی پیاریوں کی سراپا نگاری میں، بے پناہ شعری صلاحیتوں اور فنی بصیرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی وہ غزلیں جن میں محبوب کا سراپا بیان کیا گیا ہے، اپنی نظیر آپ ہیں۔ اردو شاعری میں سراپا نگاری کے آغاز کا سہرہ محمد قلی کے سر ہے۔ محمد قلی کی سراپا نگاری کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ اس کے کلام میں ہر محبوب کی بعض مخصوص اور انفرادی خصوصیات ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ فارسی اور اردو کے اکثر شاعروں نے سراپا نگاری کے نمونے پیش کئے ہیں لیکن ان کے مطالعہ سے محبوب کی کوئی واضح تصویر نہیں بنتی اور بیشتر صورتوں میں معشوق کے حسن و جمال اور قد و خال کی مبالغہ آمیز تعریف کی گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محبوب کی انفرادیت ختم ہوگئی اور ہر شاعر کے معشوق کی شکل و صورت اور چال ڈھال میں اس قدر یکسانیت نظر آنے لگی کہ ایک کو دوسرے سے الگ کر کے دیکھنا تقریباً ناممکن ہو گیا۔ اس کے

بر عکس محمد قلی کی ہر پیاری اپنی چند انفرادی خصوصیات رکھتی ہے۔ نہ اس کا دہن معدوم ہے
اور نہ کمر عنقا۔ اس کی بے شمار پیاریوں کے خدو خال ایک دوسرے سے اسقدر مختلف ہیں کہ ان
غزلوں کے مطالعہ سے، ہر محبوبہ کی علاحدہ علاحدہ تصویر سامنے آتی ہے۔ مثلاً ننھی ایک کم سن
نوخیز لڑکی ہے جو رسم عاشقی سے نا آشنا ہے۔ جب وہ چاندنی میں ناز و انداز سے چلتی ہے تو
چاند لاج سے چھپ جاتا ہے۔ اور ستارے اس کی آرتی اتارنے کے لیے آکاش سے دھرتی پر اتر آتے
ہیں۔ "سانولی" ایک چنچل سلونی ناری ہے جسکا قد سرو جیسا اور آواز کوئل کی طرح سریلی ہے۔
"کنولی" اتنی نازک حسینہ ہے کہ ہوا کے ایک جھونکے سے بھی اسکی کمر بل کھانے لگتی ہے۔ "پیاری"
کی آنکھیں مدھ بھری ہیں اس کی چوٹی زہریلے ناگ کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ "گوری" چندر مکھی
اور چھیل چھبیلی ہے۔ جو ایک مست ہاتھی کی طرح جھوم جھوم کر چلتی ہے۔ "لالن" کی آنکھیں
من موہنی ہیں اور اس کی چال ہنس سے زیادہ دلکش ہے۔

محمد قلی ہندوستانیت کا بہت بڑا پرستار ہے۔ اس کی رگ و پے میں ہندوستان
کی تہذیب سرایت کر گئی ہے۔ وہ ہندوستان کی ہر نمایاں اور مشہور رسم، تہوار، وضع قطع
اور طور طریق کو اپنے خیالات میں بسا لینا چاہتا ہے۔ یہاں اس امر کا انکشاف دلچسپی سے خالی
نہ ہوگا کہ اس نے اپنے آبا و اجداد کی روش سے ہٹ کر دکنی وضع قطع اختیار کی۔ قطب شاہی سلاطین
میں وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے داڑھی کے بجائے مونچھ رکھی اور شاہی لباس کی جگہ دیسی ململ کے
سادہ کپڑے زیب تن کیے۔

محمد قلی کی شاعری میں اپنے عہد اور ماحول کی مکمل ترجمانی ملتی ہے۔ اس کے کلام کے
مطالعہ سے اس عہد کی سماجی زندگی کے متعلق بہت کچھ مواد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ شادی بیاہ
کے رسوم، مختلف موسموں، عیدوں، تہواروں، کھیلوں وغیرہ کی تفصیلات کے دلچسپ مرقعے اس
کی شاعری میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ محمد قلی کی شاعری نہ صرف اس کی منظوم سوانح حیات
ہے بلکہ اپنے عہد کی ایک مستند تاریخ بھی۔ جس میں چار سو سال پہلے کی زندگی کی تصویریں دیکھی
جا سکتی ہیں۔ محمد قلی نے عید میلاد، شب برات، شب معراج، عید رمضان اور دوسری عیدوں
کے ساتھ ساتھ بسنت، مرگ، ہولی، دیوالی جیسے خالص ہندوستانی تہواروں کو بھی ایک

بین قومی تقریب کی حیثیت سے رائج کیا۔ اس کی شاعری کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ محل فرماں رواؤں کی طرح وہ بھی اپنی رعایا کی تقریبوں میں کھلے دل سے شریک ہوتا تھا۔ محمد قلی کی شاعری کے اس پہلو پر ڈاکٹر زور نے کلیات محمد قلی کے مقدمے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کی زندگی سراسر عیش کی زندگی تھی۔ آئے دن محلوں میں رقص و سرور کی محفلیں منعقد ہوتیں۔ مطرب خود بادشاہ کی غزلیں سازوں پر پیش کرتے۔ دیوالی کے موقع پر چراغاں کا اہتمام ہوتا، ہولی میں رنگ کھیلا جاتا اور بسنت کے موقع پر محل کے سارے گوشے زرد رنگ میں ڈوب جائے یہ ساری تقاریب خواہ وہ مذہبی نوعیت کی ہوں یا موسمی تہواروں کی صورت میں محمد قلی کے لیے عیش و نشاط کے ایک تازہ عنوان کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اردو شاعری پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی نژاد ہونے کے باوجود ہندوستانی رنگ و روپ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ اس کے سارے قد و خال ایرانی ہیں اس کی نہروں میں دجلہ و فرات کی روانی ہے۔ اس کی عشقیہ داستانیں شیریں فرہاد کے افسانے سناتی ہیں۔ اس کے باغوں میں قمری و بلبل نغمہ سنجی کرتے ہیں۔ اس کے چمن میں سرو و صنوبر اگتے ہیں اس کی بہار لالہ و گل کھلاتی ہے۔ غرض اس کی تمثیلات، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات ہندوستانی کم اور ایرانی زیادہ ہیں۔ یہ خیال ۱۷۵۰ء کے بعد دبستان دہلی اور لکھنؤ میں نشو و نما پانے والی شاعری کے لیے ایک حد تک درست معلوم ہوتا ہے لیکن محمد قلی قطب شاہ یا دکن کے دوسرے شعرا اس خصوص میں کافی حقیقت پسند ہیں اور ایک صحت مند نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ غرض محمد قلی کی شاعری کا سارا مواد اپنے اطراف و اکناف کے ماحول سے حاصل کرتا ہے جو تشبیہوں، استعاروں، تلمیحوں علامتوں اور کنایوں کے سہارے شعر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ محبوب کے حسن اور اس کے خد و خال کے متعلق اس نے جو تشبیہیں تراشی ہیں، ان میں بھی مقامی ماحول اور ہندوستانی کلچر کی روح رچ بس گئی ہے چند شعر دیکھیے جن میں محبوب کے چہرہ زیبا کو کنول، تل کو بھنورا، آواز کو کوئل کی سریلی آواز، زلفوں کو رات، مانگ کو صبح، آنکھوں کو بت خانہ، اور پتلیوں کو بت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

کھل پھول پر تو بھنور ہے لذیذ — دلے مکھ پہ تجھ نِل بھنور تے لذیذ
توں سب ہی اتم ناری رِیہ سم نہیں — کوئل تیرے بولاں تے ہاری دِسے
کبس کھولے کر نے لگی رات ہے ہماں کوں وو — مانگ کاڑے جب سکی وو دیس ہماں کوں صبا
بت خانہ نین یہ صورت نیں کیاں پتلیاں — مج نین ہیں پوجاری پر جا ادھان ہمارا

محمد قلی طبعاً راگ رنگ اور نغمہ و نشاط کا شاعر ہے۔ اسی لیے اس کی غزلوں میں رنگینی و رعنائی اور آسودگی و سرمستی کے تمام روپ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کی غزل محض عیش کوشی یا کامیاب عاشق کے نشاط وصل کی داستان ہی نہیں بلکہ ایک دردمند دل اور حساس شاعر کے جذبات کی ترجمان بھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محمد قلی کے کلام میں فراقیہ اشعار کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے لیکن یہ اشعار محمد قلی کے فکر و فن کی گہرائی اور گیرائی کا پتہ دیتے ہیں۔

چند شعر دیکھیے۔

بن سیر چمن ساری کلیاں سوکر ہی ہیں — ٹک آکے کر و گشت چمن جی اٹھے سارا
خدا جیو کی جاں کوں دکھا ایک بار — دکھاں عرض کر غم کروں خوار زار
جو نظر سامنے نہیں ہے یار — نین پانی میں تیرتا دلدار
تج بن پیارے نیند ٹک نیناں میں مج آتی نہیں — رینی اندھاری ہے کٹھن تج بن کٹی جاتی نہیں

محمد قلی کے کلام میں حسن و عشق کے ساتھ ساتھ مذہبی رنگ بھی شدت سے ابھرتا ہے۔ مذہبی رنگ کی شاعری میں بھی محمد قلی نے جوش عقیدت اور اپنے اعتقادات سے والہانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ محمد قلی پر بھرپور عقیدہ رکھتا ہے۔ اور مذہبی ریت و رسوم پر بھی چلتا ہے لیکن مذہب کی حقیقی روح اس کی شخصیت اور شاعری دونوں عاری ہیں اس کو مذہب کے صرف تہذیبی پہلوؤں سے دلچسپی ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ اپنی عیش کوشی کو بھی نبیؐ اور علیؓ کا صدقہ قرار دیتا ہے۔ اُسے مذہب اس لیے عزیز ہے کہ اس کی وجہ سے زندگی، حکومت، دولت، عروج اور دنیوی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ مذہبی موضوعات اور تقاریب پر اس نے متعدد نظمیں لکھی ہیں لیکن ہر توتیب

میں ا— یہ فکر رہتی ہے کہ اس کی پیاری یا سانولی نے آج کون لباس زیب تن کیا ہے،
اور وہ نبیؐ کے صدقے سے کتنی پرکشش دکھائی دے رہی ہے۔

دکنی ادب کے بعض نقادوں نے محمد قلی کی شاعری کو الہامی قرار دیا ہے لیکن محمد قلی
کے ہاں نہ تو مضامین غیب سے آتے ہیں اور نہ ہی اس نے عرش سے ادھر کی باتیں کی ہیں وہ
تو اسی عالم رنگ و بو کا ایک مغنی ہے جہاں اس کی سکھیاں اس کے درشن کی منتظر رہتی ہیں
بے شمار محبوباؤں اور پیاریوں کے جھرمٹ میں رہ کر" اس نے انہیں کے "عشوہ و جمال" قد و خال
اور رفتار و گفتار کی داد دی ہے۔ اس نے اپنے مشاہدات اور محسوسات کو سادگی اور
حقیقت پسندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہی اس کی شاعری کی اہم خصوصیت ہے۔ وہ ایک
خوش گو اور اردو کا اولین صاحب دیوان شاعر ہے، اردو زبان کی تاریخ میں یہی واقعہ
اس کے نام اور کلام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

وجہی کی غزلیں

ملک الشعرا اسد اللہ وجہی[1] قطب شاہی عہد کا ایک عظیم المرتبت شاعر اور صاحب طرز ادیب ہے۔ دکن کے دیگر کلاسیکی شاعروں کی طرح، وجہی کی تاریخ پیدائش اور سنہ وفات کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ غالباً اس نے ابراہیم قطب شاہ (۱۵۵۰ء تا ۱۵۸۰ء) کے آخری زمانے میں ایک خوش گو شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ء تا ۱۶۱۱ء) نے اس کو اپنے دربار کا ملک الشعرا مقرر کیا تھا اور پھر اس نے محمد قطب شاہ (۱۶۱۱ء تا ۱۶۲۶ء) اور عبداللہ قطب شاہ (۱۶۲۶ء تا ۱۶۷۴ء) کا زمانہ بھی دیکھا۔

وجہی اپنے عہد کا ایک قادر اور فنکار تھا۔ اس لئے فطری طور پر اس کے معاصر اور زمانہ مابعد کے شاعروں نے اس کے کمال فن کا اعتراف کیا ہے۔ طبعی اپنی مثنوی۔ "بہرام وگل اندام" کی تصنیف کے دوران وجہی کو بالکل اسی طرح خواب میں دیکھتا ہے جس طرح خود وجہی نے فیروز کو خواب میں دیکھا تھا اور اس سے اپنی مثنوی کی تعریف سنی تھی۔ طبعی کے اشعار ہیں ؎

---

[1] اسمم اسد اللہ وجہی تخلص است۔ دیوان وجہیہ قلمی۔ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد

نگیا میں جو یو مثنوی بولنے | یو موتیاں نچل ڈھال کیوں رولنے
یو وجہی سا مرے خواب میں آئے کر | ملک اپنا سورج نادو کھلائے کر
سراسر سینا جو مری مثنوی | کہیا بات طبعی ہے تیری نوی [1]

شاہ افضل قادری (مصنف محی الدین نامہ) اپنے ایک قصیدہ میں عبداللہ قطب شاہ کی مدح کے دوران وجہی کی فن کارانہ صلاحیتوں کی داد دیتا ہے اور اس کو "عاقل" "کامل" "گیانی" اور "گنبھر" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے

تجھ ایسے شاہ کوں ہونا سو وجہی سار کا شاعر | پنت عاقل پنت کامل پنت گیانی پنت گنبھر

ملک الشعرا ملا غواصی ایک قصیدے میں عبداللہ قطب شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ غواصی اور وجہی جو تیرے دربار سے وابستہ ہیں دکن کے بلند پایہ شاعروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہ

اس دکن کے شاعراں میں تجہ شہنشاہ کے نزیک ہے غواصی ہور وجہی شاعر حاضر جواب [2]

وجہی کے ہمعصر اور مابعد کے شعرا کے حوالوں کی مدد سے اس کے سنہ وفات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ابن نشاطی نے اپنی مثنوی "پھول بن" ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء میں تصنیف کی اور اس میں ان تمام اساتذہ سخن کو یاد کیا ہے۔ جو اس وقت وفات پا چکے تھے۔ اس مثنوی میں وجہی کا نام نہیں ملتا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وجہی ۱۰۶۶ھ / ۱۶۵۵ء تک بقید حیات تھا۔ البتہ طبعی اپنی مثنوی "بہرام و گل اندام" میں وجہی کو خواب میں دیکھتا ہے۔ اور اس کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس کرتا ہے یہ مثنوی ۱۰۸۸ھ / ۱۶۷۷ء میں

---

[1] ڈاکٹر زور - دکنی ادب کی تاریخ ص ۸۲

[2] محمد علی اثر - غواصی شخصیت اور فن ص ۳۱

[3] ڈاکٹر زور - تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (مخطوطہ نمبر ۹۰۰)

لکھی گئی۔ ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ وجہی نے ۱۰۶۶ھ م ۱۶۵۵ء اور ۱۰۸۸ھ م ۱۶۷۷ء کے درمیان وفات پائی۔ سب رس کے ایک قدیم مخطوطے کے ترقیمے سے پتہ چلتا ہے کہ وجہی کا مزار درگاہ حضرت سید حسن شاہ برہنہ حیدرآباد کے احاطے میں موجود ہے۔[۱]

"قطب مشتری (۱۶۰۹ء) سب رس (۱۶۳۴ء) "تاج الحقائق" اور "دیوان وجہیہ" (فارسی) کے علاوہ وجہی کی چند غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قطب مشتری میں آٹھ اور سب رس میں دو غزلیں شامل ہیں۔ ان غزلوں کے علاوہ مولوی سخاوت مرزا[۲] اور جناب اکبرالدین صدیقی[۳] نے اس کی مزید چھ غزلوں کی نشاندہی کی ہے وجہی کی نو دریافت غزلوں اور اس کے فارسی کلام سے پتہ چلتا ہے کہ محمد قطب شاہ کے عہد ۱۶۱۱ء م ۱۶۲۶ء میں کسی وقت ان پر شاہی عتاب نازل ہوا" دوست دشمن بن گئے اس کو "چور" اور "دند" کہا گیا تلخی ایام اور تلخی روزگار نے اس کو زہر کے گھونٹ پلائے یہاں تک کہ اس کو کسمپرسی، عسرت، گمنامی، مفلسی اور فاقہ کشی کے دن بھی دیکھنے پڑے۔

کالے بنداں پڑے ہیں انجھو کر انکھیاں تے	جاں حال میں اپس کا لکھنے قلم رکھیا ہوں
بھوکا ہوں کر کسی کن میں ہات نہیں پسا ریا	آپس کوں آپ کھا کر اپنی شرم رکھیا ہوں
باطن فقیر ہو کر، ظاہر غنی رہا ہوں	لوگاں میں بار چھوں تیوں گھر کا بھرم رکھیا ہوں

مجہ سوں زمانہ چور، دند بھو تیچ ہے بگڑیا ہے

کرنا جو کچھ تھا سو کیا بھی کیا کرے گا دیکھنا

کدھاں لگ یں اچھوں دکھ، بچھڑ اپنے جیباں تے

صبوری حد سے گذری ہے ڈروں کیتا رقیباں تے

---

[۱] ڈاکٹر زور۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (مخطوطہ نمبر ۹۰۰)

[۲] قدیم اردو کی ایک نایاب بیاض۔ اردو کراچی اپریل ۱۹۵۴ء

[۳] ماہنامہ "سب رس" حیدرآباد۔ فروری ۱۹۶۶ء، مارچ ۱۹۷۱ء، اپریل ۱۹۷۱ء

نہ پیارا پیار پر آتا نہ برہا مار کر جاتا
کدھاں لگ یہں کروں بھاتا جو اس بھونڈ نفیاں تے

وجہی پیو کو دکھیائیں رقیباں چپ کیئے ٹانٹے
خدا اپنی پنہ راکھے برے لوگاں کی جیباں تے

لطف شہ صورت عتاب خدا است — عذ ہلتش خواری و عذاب خدا است

پادشاہ جہاں مقلیم — خاک ہم نیست ہم خزانہ ما

مفاسی ساکشم بسیار — کہ سخاوت دریں زمانہ کم است

اب تک وجہی کی جملہ سولہ غزلیں دستیاب ہوئی ہیں، جن کے مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہ قدیم اردو کا ایک پختہ مشق اور قادرالکلام غزل گو بھی تھا اور یقیناً اس نے فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی کوئی دیوان اپنی یادگار چھوڑا ہوگا جو ہنوز پردہ تاریکی میں ہے۔

وجہی کے رنگ تغزل کا جائزہ لینے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تنقید شعر کے بارے میں اس کے اصول و نظریات پر بھی سرسری نظر ڈالی جائے۔ شاعری کے متعلق وجہی کے ذہن میں ایک واضح مفہوم و معیار موجود ہے اس لئے اس نے سخن سنجی و سخن فہمی کے پیمانے بھی مقرر کر دیئے ہیں " قطب مشتری " میں تعریف سخن کے عنوان سے وہ کہتا ہے کہ بہتر کلام وہی ہے جس میں سادگی، سلاست اور ربط پایا جائے۔ ایسے الفاظ شاعری میں استعمال کئے جائیں جنھیں اساتذہ اپنے کلام میں استعمال کر چکے ہیں۔ شعر اگر آرائش و زیبائش کے بغیر بھی دلکش اور جاذب نظر ہو سکتا ہے لیکن ان چیزوں سے اس کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ لفظ و معنی کے باہمی رشتہ سے شعر میں جان پڑ جاتی ہے الفاظ منتخب اور معنی بلند ہونے چاہئیں۔

کتا ہوں تجھے پند کی ایک بات | کہ ہے فائدہ اس منے دھات دھات
جیے ربط بولے تو بیتاں پچیس | بھلا ہے جو اک بات بولے سلیس
اسی لفظ کوں شعر میں لیلے توں | کہ لیایا ہے استاد جس لفظ کوں
اگر خوب محبوب جیوں سور ہے | سنوارے تو نور اعلیٰ نور ہے
اگر فام ہے شعر کا تجکوں چھند | چنے لفظ لیا ہور معنی بلند

قدیم دکنی بالخصوص دبستان گولکنڈہ کی شاعری کی ادبی خصوصیات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ کم و بیش یہی خصوصیات دکنی کے دوسرے کلاسیکی شاعروں کے ہاں بھی پائی جاتی ہیں اس میں شک نہیں کہ ہر شاعر کچھ نہ کچھ انفرادی خصوصیات کا حامل ضرور ہوتا ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی بعض نمایاں خصوصیات تمام دکنی شعرا میں مشترک نظر آتی ہیں سادگی وسلاست اور روانی و برجستگی دکنی شاعری کی وہ نمایاں خصوصیت ہے جو ۱۷۰۰ء کے بعد شمالی ہند میں نشوونما پانے والی شاعری میں تدریجی طور پر کم ہوتی گئی ہے۔ ایہام نظر کی تحریک کے بعد شمالی ہند کے شعرا کا طرز بیان بتدریج فارسی طرز نگارش سے متاثر ہونے لگتا ہے۔ سترھویں صدی عیسوی کے فارسی ادب پاروں میں صنعت کاری کا رجحان اور بات کو الجھا کے پیش کرنے کے میلان کا غلبہ تھا صنائع بدائع کا اہتمام دور از کار تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کے ذریعے بات کو زیادہ پر پیچ بنا دینے کا رجحان، فارسی شاعری کے اہم عناصر تھے۔ اس کے برعکس وجہی محمد قلی غواصی یا دکنی کے دوسرے شاعروں نے فارسی کی مروجہ روایت سے انحراف کرتے ہوئے۔ مرصع اور پر پیچ اسلوب کی جگہ سادہ اور رواں اظہار بیان اپنایا۔ وجہی کی غزلوں میں شاید ہی کوئی مقام ایسا ملے گا جہاں اس نے پر پیچ اسلوب کو اپنایا ہو یا مضمون کو الجھا دینے کی کوشش کی ہو۔ ذیل کے اشعار اس کے کلام کی سادگی وسلاست کے ترجمان ہیں

تجہ مکھ کے درس بکایو سورج سو درسنی ہے | تجہ نور جھمکنے تے سب جگ میں روشنی ہے
ہے دل میں تیرا عشق لی کیوں کر سرکا دکھنا | کو لگ مجھے عالم منے رسوا کرے گا دیکھنا
ایک بار عزما دیک کر کھلے دغا سو بس نہیں | سو بار پھر پھر کر اسے بھی آزمانا کیا سبب

پیرہ بس بھید پا سب تن مردن گی ہوویں چھوکن — درد ہے عشق کا جگر کن بھلا تا ہوے طبیباں نے

دکھاتا ہوں میں تجھے یار دیک — توں جیوتے اس کوں اپنے مار دیک

جاتا ہے جیو پیارے ٹک بیگ آ رحم کر — تجھ درس دیکھنے کوں انکھیاں میں دم رکھیا ہوں

آخرالذکر شعر کے مضمون کو استاد ذوق نے کچھ اس طرح باندھا ہے۔

آنا ہے گر تو آ کہ سینے سے چل کے اب — آنکھوں میں آ کے ٹھہرا ہے دم انتظار کا

وجہی جذبات، کیفیات اور احساسات کا نباض اور ترجمان ہے۔ اس لیے اس کی غزل میں سلاست، بے ساختگی اور دل نشینی پائی جاتی ہے۔ اس نے سیدھے سادے لیکن منتخب الفاظ اور تیکھے اسلوب میں عشق و عاشقی کے واردات اور معاملات رقم کیے ہیں اس کے کلام کا اثر دماغ کے بجائے دل پر ہوتا ہے۔ فکر سے زیادہ اس میں جذبے اور خلوص کی کارفرمائی نظر آتی ہے محمد قلی کی غزلوں میں چنچل پن شوخی اور ہرجائی پن بعض مقامات پر حد سے تجاوز اختیار کر لیتا ہے جبکہ وجہی کی غزل کا سب سے نمایاں وصف پاکیزگی کلام ہے جو ہوا و ہوس بلکہ ہر طرح کی سستی جذباتیت سے پاک ہے، اس میں ایک پاکیزہ کردار کی جھلک نظر آتی ہے، ایک سلیقہ، رکھ رکھاؤ اور ضبط و احتیاط کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

اے ماہ شام ہوئی ہے سحر تجھ فراق تے — کاں وصل دیکھوں جاوں کدھر تجھ فراق نے

مد عشق میں پیا سو چڑیا ہے اثر مجھے — سد عقل فہم چھیں کیا ہے خبر مجھے

جہاں میں دیکھتی ہوں واں مجھے اس کا ج موں دسنا

وہی بستا ہے دل میں دوجے ٹھار یا و آنا

یکتا ئیں سہیلی مرنا دل دوجے پر نا دھرنا

اس پیوں کو اپنا کرنا اسی پاپی من کوں کھوے کر

وجہی کی غزل کی دوسری نمایاں خصوصیت واقعہ نگاری یا حقیقت پسندی کا رجحان ہے اس کے کلام پر مقامی ماحول کی تہذیبی روایات اور معاشرتی خصوصیات کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ غزل میں ہندوستانی ماحول اور مقامی روایات کی

زیبا کو آنکھوں میں اس طرح بسا لیا ہے کہ ہر سمت اسے اپنا "پیا" ہی نظر آتا ہے۔ وجہی
کی ریختیوں میں محمد قلی اور ہاشمی کی طرح چوما چاٹی ہے۔ نہ فحاشی و جنسی تلذذ ہے اور نہ
جذبات کی پراگندگی، اس کے ہاں ایک سنجیدہ پن، پاکیزگی اور رکھ رکھاؤ کا احساس
ہوتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یکتا ئیں سہیلی مرنا دل دوجے پر نہ دھرنا
اس پیو کو اپنا کرنا اس پاپی من کوں کھوے کر
جہاں میں دیکھتی ہوں واں مجھے اس کا چ موں دستا
وہی بستا ہے دل میں وو چہرہ ٹھارا یاد آتا
دو تن کے بول رے سب ساری اے باد نا چپ رہ
اگر تجہ فام ہے تو کہہ مرا دو پیو کاں اچھتا
نہ پوچھوں بہن جو تسی کب ملنا پیو سوں ہوے سی
غم برہا ... میں سوے سی نا جانے دکھ یو کوے سی
چلو نا جائیں اے سہیلیاں ہمارا لال جہاں اچھتا
دلہ کوئی جانتا نہیں ہے کہ ڈھونڈ وو کہاں اچھتا

وجہی کی ریختیوں کا بیشتر حصہ عالم فراق کی کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس
میں وصل کے رنگین لمحات کم ہیں اور صحرائی کی صبر آزما گھڑیاں زیادہ وجہی کے
فراقیہ اشعار میں ایک برہن کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔

طاقت نہیں دوری کی اب توں بیگ آمل رے پیا ۔۔۔ تج بن مجے جیو نا بھوت ہوتا ہے مشکل رے پیا
کھانا برہ کیتی ہوں پانی انجھوں پیتی ہوں ۔۔۔ تجھے بچھڑ کے جیتی ہوں میں کیا سخت ہے دل اے پیا
پیو اپنے کوں ملک آج میں نس سپنے دیکھی سو کر ۔۔۔ جب پیو چلا سٹ کے سیج منج تب سو اٹھی رو رو کر
برہ بس بھید پایا ... تن مروں گی پیو بن جیو کھوں ۔۔۔ درد ہے عشق کا منج کن بھلا نا ہوئے طبیباں تے
سہیلی ہائے بچھڑا ہے مجھے دو بار یاد آتا ۔۔۔ بسر نہیں سکتی ایک پل میانے دو سو بار یاد آتا

دسیں دھن تکہ بیچ نیناں کہ موتی تھال بیں ڈھلتے
لٹاں چھٹ تن آپریوں ہے بھونگ جیوں نیر پر چھلتے
نین دو دست چیچل کے ابھیں بیچ مکہ نرمل کے
کنول پر بینے جیوں جل کے سورہ رہ باد سوں ہلتے
دول دھن پینے کاناں ہیں کہ سرپن پھل پاتاں ہیں
سورج چاند آسماناں ہیں بچارے لاج تے گلتے
بدل رنگ سیام کھن کنٹل نین البلق پنٹ اچپل
کرکالے ڈونگراں کے تل نچے ہرناں کے اد چھلتے
تجہ باس سوں مانتے ہیے پھر کیف کھانا کیا سبب
تن من جلا جوگی ہوے پھر راک لانا کیا سبب
تجہ زلف کے یک تار سوں زنار کر گھالوں گلے
گنگا دھرے توں جیو ہنے کاسی کوں جانا کیا سبب
نہ پوچھوں بہن جوتسی کب ملتا پیو سوں ہوے سی
غم پر ہا سب بن سعلے سی ناجانے دکھ لوکرے سی
موہن تجے سورج کہتے سورج میں یو گفتار کاں
زر کا کمر میں زر کمر ہور یو گلے میں ہار کاں
تارے کہتے نیناں کوں تج تاریاں میں مستی تو ہیں
شب بولتے تج زلف کوں شب سیا نے اتی تار کاں
راویاں کوں نسبت دیتے ہیں باتاں کوں تیرے اچھراں
راویاں کے باتاں میں یتا جت یتا تکرار کاں

وجہی اپنے عہد کا ایک عظیم المرتبت شاعر و ادیب ہی نہیں بلکہ بلند پایہ عالم، فلسفی اور حکیم بھی تھا۔ اس کی غزلوں میں واردات عشق کی مختلف کیفیات کے ساتھ ساتھ معرفت وسلوک فلسفہ وتصوف، فخر وقناعت اور اخلاق وحکمت کے مضامین بھی ملتے ہیں۔

دکھاتا ہوں میں کچھ تجھے یار دیک — توں جیو تے اس کوں اپنے مار دیک
خدا تجھ ہیں تیر تیج سیا ا ہے — توں دیدار میں اپنے دیدار دیک
معین تکو کرا ہے ایک ٹھار — وو ہر ٹھار ہے اس کوں ہر ٹھار دیک
سکتا داد پر داد تیج سکا : — یاری کو کئی تو بی کد ہیں پار دیک
بہتر ہے نجے بھار گی یں خبر — بہتر ہوں دسیا و نجہ توں بھار دیک

جلنے کوں اس شمیں پر عاشق بھرم رکھیا ہوں
پروانہ کے قدم پر آکر قدم رکھیا ہوں
اپنے خدا بغیر بھی کس پاس کچھ منگیا نیں
لوگاں پر اس دنیا کی امید کم رکھیا ہوں
باطن فقیر ہو کر ظاہر غنی رہا ہوں
لوگاں میں یارے جیوں تیوں گھر کا بھرم رکھیا ہوں
جو کچھ جو جیو منگتا ہے سو تیچ ہاں کر دے خدا
تو گھر اس کا چھوڑ دے پر گھر کوں جاتا کیا سبب

وجہی کی منجملہ سولہ غزلوں میں چھ ریختیاں ہیں۔ ریختی میں چونکہ زنانی لب و لہجہ میں عورتوں کی نفسیات اور مشاہدات زندگی کی ترجمانی کی جاتی ہے، اسلئے ان میں دیگر غزلوں کے مقابلے شیرینی، دلکشی اور تاثر کی فراوانی کا احساس ہوتا ہے۔ وجہی نے اپنی ریختیوں میں جس عورت کے جذبات، کیفیات عشق اور احساسات کو گویائی بخشی ہے، اس کی تمناؤں اور آرزوں کا مرکز صرف اس کا محبوب ہے، جس کو وہ "پیو، پیارا، لال، یار، سائیں، بھوندو (دلربا) وغیرہ الفاظ سے یاد کرتی ہے۔ وہ ایک وفا شعار، شوہر پرست ہندوستانی عورت ہے اور اپنے "پیو" پر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا عین زندگی سمجھتی ہے وہ صرف ایک ہی کی ہو کر رہنا چاہتی ہے لیسے دو تو نہ لفرت ضرورت ہے لیکن عام عورتوں کی طرح توہم پرست نہیں، اس لیے جوتشی سے یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ کب "پیو" سے ملن ہو گا۔ اس تے اپنے پیا کے چھند ے

ترجمانی وجہی یا قدیم دکنی کے دوسرے شعرا کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ اُردو شاعری پر عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ ہندی نژاد ہونے کے باوجود ہندوستانی رنگ روپ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی اس کے سارے خدوخال ایرانی ہیں اس کی نہروں میں دجلہ و فرات کی روانی ہے اس کی عشقیہ داستانیں شیریں فرہاد کے افسانے سناتی ہیں اس کے باغوں میں قمری و بلبل نغمہ سنجی کرتے ہیں۔ اس کی بہار لالہ و گل کھلاتی ہے غرض اس کی تمثیلات تشبیہات تلمیحات اور شاعری کے تمام عناصر عجمی ہیں۔ یہ خیال ۱۷۰۰ء کے بعد دہلی اور لکھنؤ میں نشوو نما پانے والی شاعری کی حد تک درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دکنی شعرا اس خصوص میں کافی حقیقت پسند (REALIST) ہیں اور ایک صحت مند نقطۂ نظر کی غمازی کرتے ہیں۔ وجہی یا دکنی کے دیگر شعرا کا تصورِ محبوب بھی ان کے حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ محبوب کوئی تصوری و خیالی پیکر نہیں بلکہ اسی عالم رنگ و بو میں سانس لینے والا جیتا جاگتا انسان ہے۔ وجہی کی غزلوں میں محبوب کی جنس مبہم نہیں رہتی۔ اس نے برملا انداز میں اسکو مونث باندھا ہے۔ اور اس کو نار، سہیلی، سکھی، سندر، دھن، سودھن وغیرہ ناموں سے یاد کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

تیرے ادھر کوں یاد کرا ے نار من موہن
لڑ لڑ تا ہوں اپنے ادھر تجہ فراق تے

اعجاز ہے دھن اس پہ ہر گز ستر چلتا نہیں
دل ہم تو لی کر ناوے کیوں منترسے کا دیکھنا

ہاتف خبر دے بیگ اگر دوست ہے مرا
کس رات آملے گی وہ چنچل سندر مجھے

بر ہے کہ دکھ کٹک میں یوں نیٹ کر رہیا ہمیں
تو اپنے عاشقاں میں سودھن مجے گنی ہے

وجہی کے یہاں تشبیہات و استعارات اس قدر دلکش ہیں کہ ان کے استعمال سے شعر کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اس کی تشبیہیں خود بولتی ہوئی ہیں وہ جس چیز کا بیان کرتا ہے اس کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے اس تشبیہوں اور استعاروں میں بھی مقامی ماحول اور مقامی دریاؤں، پرندوں، پھولوں، جانوروں وغیرہ کا ذکر اور کاسی، جوگی، جوتسی، بہمن، کنول، گنگا، جا، دونگراں، ہرناں، سنپارے، پنکھی، رادیاں، ناگ وغیرہ الفاظ کا استعمال اپنے اطراف و اکناف یا اردگرد کی اشیا کا تذکرہ اس کے صحت مند نقطہ نظر کی ترجمانی کرتا ہے۔

حسن شوقی کی ایک غیر مطبوعہ غزل

شیخ حسن شوقی دبستانِ دکن کا ایک بلند پایہ شاعر گزرا ہے۔ اس کا تعلق نظام شاہی (۱۴۰۵ء ۔ ۱۶۳۳ء) قطب شاہی (۱۵۱۲ء ۔ ۱۶۸۷ء) اور عادل شاہی (۱۴۸۹ء ۔ ۱۶۸۶ء) تینوں سلطنتوں سے رہا ہے۔ لیکن اس کی زندگی کا بیشتر حصہ بیجاپور میں بسر ہوا۔ ابن نشاطی، نصرتی، ہاشمی اور ولی اورنگ آبادی جیسے عظیم المرتبت شاعروں نے حسن شوقی کے کمالِ فن کا اعتراف کیا ہے۔

حسن شوقی اگر ہوتے تو الحال — ہزاراں بھیجتے رحمت مجھ اُپر ال (ابن نشاطی)

ہوا ہے غلغلۂ ہاشم ترے اشعار کا چوندھر — عجب نیں گر سنے شوقی حسن سٹ کر دھن لگے (ہاشمی)

دس پانچ بیت اس دھات کے کہے ہیں تو شوقی کیا ہوا — معلوم ہوتا شعر اگر کہتے تو اس بسیار کا (نصرتی)

حسن شوقی کی اب تک دو مثنویاں "فتح نامہ نظام شاہ" "میزبانی نامہ" تیس غزلیں اور ایک نظم کا پتہ چلتا ہے۔ جنھیں ڈاکٹر جمیل جالبی نے مرتب کر کے دیوانِ حسن شوقی کے نام سے ۱۹۷۱ء میں انجمن ترقی اردو کراچی سے شائع کیا ہے موجودہ مواد کی روشنی میں حسن شوقی ایک بے مثال مثنوی نگار اور باکمال غزل گو کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے، وہ دبستانِ دکن کے صفِ اول کے متغزلین میں شمار کیا جائے گا۔ سادگی، سلاست اور واقعیت نگاری حسن شوقی کے کلام کے نمایاں اوصاف ہیں۔

راقم الحروف کو کتب خانہ سالار جنگ کے ایک مخطوطے (بیاضِ مراثی ۱۰۲) میں شوقی کی ایک غزل دستیاب ہوئی ہے جسے تدوینِ متن کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ غزل "دیوانِ حسن شوقی" میں شامل نہیں ہے۔ اسکو ملا کر شوقی کی جملہ غزلوں کی تعداد اکتیس ۳۱ ہو جاتی ہے۔

غزل

جا کہہ سلام شہ کوں تیرا ثواب ہوئیگا[1]
ارداس میں لکھیا ہوں اسکا جواب ہوے گا

توں ڈر نکو لجا نے شہ تجھ غصہ نہوسے
میں خوش خبر لکھیا ہوں مقصد شتاب ہوئے گا

اس تن کی توں بھٹی کر آتش فراق لا دے
سب عشق ہے معطر اسکا شراب ہوئے گا

سب رگ رگوں میں پرمل پھل میں گلاب جوں لکھے
عارف ازل تے توں تھا رگ رگ رباب ہوئیگا

سرمست ازل توں تھا اورکوں پلا ہور توں بی لذا
شہباز کے کرم سوں تجھ فتح باب ہوئے گا

اس تن کوں توں ذبح کر بریاں نقل کوں ہونا
چرکا نمک لگا دے سب تن کباب ہوئے گا

اسلام ہور شرع سوں شوقی ہوا ہے منکر
دفتر تو لکھ رکھیا ہوں بعد از حساب ہوئے گا

---

[1] ہوسیگا (بہ اعتبار وزن)

شاہ عالم شغلی اور اسکا غیر مطبوعہ کلام

شاہ عالم شغلی (۱۰۳۰ھ / ۱۶۲۲ء ـ ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۳ء) عادل شاہی دور کا ایک خوش گو صوفی شاعر ہے۔ اس کا ذکر سب سے پہلے محمد باقر آگاہ (۱۷۴۵ء - ۱۸۰۵ء) نے اپنی مثنوی "گلزار عشق" میں (۱۲۱۱ھ / ۱۷۹۶ء) دکنی کے چند نامور شاعروں کے ساتھ کیا ہے۔ باقر آگاہ کے الفاظ یہ ہیں :

"اکثر شعرا کہ مثل نشاطی و فراقی و شوقی و خوشنود و غواصی و ذوقی و ہاشمی و شغلی و بحری و نصرتی و نشاب وغیرہم کے کہ بے حساب ہیں اپنی زبان میں قصائد و غزلیات و مثنویات و مقطعات نظم کیے اور دادِ سخن وری کا دیے۔۔۔" [۱]

مولوی نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں شغلی کا ذکر اس طرح کیا ہے :

"اس کے نام کی ہم کو خبر نہیں۔ مولانا باقر آگاہ کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی دور (عادل شاہی) کا شاعر تھا۔" [۲]

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے شغلی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"شغلی بیجاپور کے صوفی شعرا میں سے تھے۔ محمد باقر آگاہ نے جو بیجاپوری الاصل تھے ان کا ذکر کیا ہے۔" [۳]

۱؎ مثنوی گلزار عشق قلمی / کتب خانہ انجمن ترقی اردو کراچی۔ ۲؎ دکن میں اردو ۱۹۶۳ء ص : ۲۵۱

۳؎ تذکرہ مخطوطات۔ ادارہ ادبیات اردو جلد اول / ص : ۲۴۵

"علی گڈھ تاریخ ادب اردو" (جلد اول) میں شغلی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"شغلی کے نام اور حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ وہ اس دور (عادل شاہی) کے شاعر ہیں"۔ [1]

ڈاکٹر جمیل جالبی "مثنوی "پند نامہ" کے سلسلے میں شغلی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پند نامہ شغلی بھی جو ۱۹۰ ابیات پر مشتمل ہے اسی رجحان کے سلسلے کی کڑی ہے۔ یہ کسی فارسی کتاب کا منظوم ترجمہ ہے"۔ [2]

راقم الحروف نے ایم۔ اے کی تعلیم کے دوران "غواصی پر تحقیقی کام کرتے ہوئے شغلی کے ایک قلمی دیوان مملوکہ مولوی احمد خان صاحب درویش کی اوراق گردانی کی تھی، جس سے پتا چلا کہ اس شاعر کا نام شاہ عالم اور تخلص شغلی ہے۔ شغلی کے قلمی دیوان کے پہلے صفحے پر درج ذیل عبارت ملتی ہے:

"ایں دیوان شاہ عالم شغلی راست ۔ ۔ ۔"

اس دیوان کو اب ڈاکٹر ابوالفضل سید محمود قادری مرتب کر رہے ہیں۔ شغلی کے متعلق ڈاکٹر محمود قادری کا ایک مضمون راقم کی نظر سے گزرا ہے، جس کے مطالعہ سے شغلی کے واقعات حیات پر روشنی پڑتی ہے اور چند نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔ وہ اپنے مضمون میں راقم طراز ہیں کہ:

گیارہویں صدی ہجری کے اس صوفی بزرگ کا نام شاہ عالم اور تخلص شغلی ہے۔ عرف عام میں وہ شاہ عالم گیلانی کے نام سے مقبول رہے شاہ عالم شغلی ۱۰۳۰ھ میں بیجاپور میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت کی تکمیل بھی بیجاپور میں ہوئی۔ وہیں کے ایک بزرگ حضرت سید شاہ نعمت اللہ قادری سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور حضرت نے ان کو خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا۔ بیجاپور کی تباہی کے بعد شغلی بیدر چلے آئے

---

[1] اردو ادب عادل شاہی دور میں۔ ڈاکٹر نذیر احمد (علی گڈھ تاریخ ادب اردو) ص ۳۴۰

[2] تاریخ ادب اردو (جلد اول) ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۵۱۲

اور پھر یہیں کے ہو رہے ان دنوں علاقہ مدراس کے وڈی گرام لونڈی میں حضرت شاہ سلطان ثانی نے بھی انہیں خرقہ خلافت عطا کیا۔ اپنے مرشد کے حکم سے علاقہ مدراس پتی پور بعلاقہ والی کنڈہ پورم ضلع ترچی پہنچے اور مستقلاً قیام پذیر ہو گئے۔ ایک عرصہ تک شغلی نے یہیں اپنے رشد و ہدایت کے فیضان کو جاری رکھا اور یہیں ۴ا صفر ۱۱۱۴ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آج بھی ان کا عرس شایان شان طریقہ پر منایا جاتا ہے"۔ [1]

شغلی کے ایک ہمعصر شاعر شاہ صادق ارکاٹی نے ان کی وفات کا مادہ تاریخ "غاب قطب" سے نکالا ہے قطعہ تاریخ وفات یہ ہے :

شاہ عالم آں ولی ماورائے عقل و نقل	از دنیا گم گشتہ از ہانع ندارد ہیچ فصل
گفت صادق شاہ از روئے عقیدت مصرعے	تا کہ جوئی از درس "غاب قطب" تاریخ وصل

شغلی کا کلام ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ راقم الحروف کو "دکنی غزل کی نشوونما" کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کے دوران مختلف کتب خانوں کے مخطوطات کی چھان بین کا موقع ملا ہے۔ اس سلسلہ میں شغلی کی چند غیر مطبوعہ غزلیں دستیاب ہوئی ہیں [2]۔ جنہیں مرتب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

غزل ـ (1)

تجہ حسن کا دیپک جنے دیکھیا سو پروانہ ہوا	تیرے ادھر کا مے جنے چاکیا سو دیوانا ہوا
تجہ وجہ کی کئے تاب تھے تاتاب لیا بتخانہ	تجہ بچن کی آواز تھے بے ہوش تھے دانا ہوا

---

[1] ڈاکٹر محمود قادری "شاہ عالم شغلی" ـ "گیارہویں صدی ہجری کا ایک صوفی شاعر"۔ (غیر مطبوعہ)

[2] شغلی کی ایک رسالہ کو ڈاکٹر نور السعید اختر نے سب رس (حیدرآباد دکن) ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ہے۔

تجہ ابرو دے محراب کوں سجدا کرے تو کیا ہوا
ناداں یوں بجہ کوں کہتے تجہ سوں یو کفرا نا ہوا

تجہ خوش شکل صورت کے تئیں دل بیچ رکہ سہوا کر دل
یوں زاہداں مجہ بولتے تجہ دل سو بت خانا ہوا

انگشت نما ہو در جگت پھرتا ہوں یو تیرا لگت
ہیں تو کدھیں یوں نا کہت شغلی کدھر آتا ہوا

(۲)

منج لحظے منے پیالا دیا ساقی وحدت کا
پڑیا ہے کیف قرب حق نقل جا کیا نہایت کا

جہاں تھا محل محبت کا تہاں جا کر پڑیا بے سُد
نہ تھی طاقت کہن سننے وہاں کاں ہیش عبادت کا

خلاصہ آئنہ کر کر دیکھیا پھر ہوش میں آ کر
وہاں بھوت بھانت گج گج تھا کہوں میں کس نزاکت کا

کہوں تو نا کہا جاوے بغیر از کئے نہ پنچ بھاوے
تحائف ہو جو دل آوے سو پاوے بھید اشارت کا

سنیا جن شک جہنم کا جو جنت سوں بے پروا ہو
بسیا ہے کفر یوں جس میں تسے کیا ڈر قیامت کا

نہ کر میخانہ میں بکبک سنیں گے زاہداں کس تے
انا کا بول رک باتی سمج کر سخن پالت کا

جلا کر گیان کی پوتی اندھارا گھر کیا جوتی
صفت نکتہ کیا ذاتی لے شغلی شغل حالت کا

(۳)

نظر کی گود میں دیدا او دیدے بن نظر دستا
سو اس دیدے کی ہولے ہے سو جل با ہر پھیر دستا

نظر سوں عشق دیدا حسن گیان اس کا سٹا تہ ہے
او دیدا گل نظر خوشبو حضور عاشق بھنور دستا

نظر سوں ذات دیدا نور قدرت نقش ہے اس پر
صناعت کر چتاریا سو عجائب ہو چتر دستا

چھپیا تھا بیچ میانے رک سو رک ہے بیچ پنہاں
بدارا تخم ہے جا نو پیارا ہو شجر دستا

نظر خورشید دیدا ہے سو چشمہ آب کا جانو
کرنس میں ہے ادھی صورت جمالی ہو چندر دستا

دیوا دیدا نظر چر کا اوجالا روح جاری لہے
لے جاری بھتر معنی ہو کے شاہد سب ادپر دستا

نظر سوں ذات میں دیدا جو بیلا اس کا باللودی
جو بیلا من سو یک رنگ ہو کے وحدت کا اثر دستا

او صورت چک نظر سیرت پرت اس کی میٹھائی ہے
او شیریں یوں نظر جانو او دیدا جیوں نظر دستا

جو کالی رات ہے کالا سنگ او پر چھٹی بی کالی!
سو جنبش مہر کی سر کی خفی پردے بے پردستا

بجز شہ کی خفی کے بن نہ ہوئے حال عینی کا؟
خفی میں بھوگ سرجے ساج لذت کا ثمر دستا

بلغنا اللہ ہمر پیر مرشد کی شفاعت سوں
کریما کی نظر میں سب رحیما کا ہنر دستا

[۴]

جگ میں ہوا اجیالا تجہ مکہ تیم چندر کا — مصری جما دنتے ہیں امرت بچے تجا دھر کا

اٹھین لے تجہ بدن کا تسنا اسم دہھر ؟ — تو جا لگا خلق کوں لالوچ سیم زر کا

اسمان کے ملک سب تجے دیکہ یوں کہتے ہیں — انتر یا سور بھوں پر ہے آج دان حشر کا

گوہر تو تجہ دہن کے ہنستے جھلک پڑے گر — اس تے لیا ہوا تیس اس جگ میں گھر ہنر کا

مجہ گور کن اگر توں شغلی لگکر پکارے — لبیک کر اٹھوں گا تا بہت اچا قبر کا

[۵]

معشوق کوں دیکھے بنا روزہ دھرے تو کیا ہوا
چالیسواں حصہ سدا دے دے مرے تو کیا ہوا
حرص و حسد چھوڑے نہیں غفلت سوں مکہ موڑے نہیں
دل کا کفر توڑے نہیں کلمہ پڑے تو کیا ہوا
تسبیح مصلاہات کر چالیس لوگاں سات کر
حجرہ منے کئی دھات کر تن کوں ہرے تو کیا ہوا
جو ج اتھا کرنا جہاں تو نیں کیا آخر تہاں
کعبے کوں جا حج کر وہاں گھر کوں پھرے تو کیا ہوا
سیاہی سفیدی کوں پکڑ تا ندا ہے جیو سوں جکڑ
زاہد کوا کرتے اکڑ باتاں کرے تو کیا ہوا
تکبر سوں باندے نیت چھڑتی نہیں دل کی رت
بازار میں سودا کرت سر بھیس دھرے تو کیا ہوا
من عرف ہو بوجے نہیں مرنے اگل جھوجے نہیں
شغلی ہوبت پوجے نہیں سجدہ کیے تو کیا ہوا

(۶)

نہ کھوتے کا رتن کھو کر، تسے ہی پھر کو رونا کیا
نہ کرنے کا اتھا سو کر، پچھیں پچتائے ہونا کیا
اول سوں سیاہ، دل جس کا، اچھے کیوں ہو سکا روشن
نہ اجلا کولسا ہوسے، تسے مَل مَل کو دھونا کیا
اتم دل کی زمیں اوپر، تخم ارشاد نا بو کر !!
تسے لے شور کی بھوں پر، بھوں نا چیز ہونا کیا
جہاں سن عاشقاں کی ہے تہاں رہنا عبث، جی کر
کھڑا ہو آ نکل باہر، اتا دھنڈتا ہے کونا کیا
عجب یارا او ہے شغلی، وصل محبوب کا لے کر
ابد لگ جاگتے نہیں ہیں، بسر بھر نیند سونا کیا

---

(۷)

سکی یک بارگی منج لگ سہج میں پیو آنا تھا
اگر دل بات نا لیتے تو دھر منج بول جانا تھا
پیا آئے نگر بیگی اُٹھی میں شادمانی سوں
خلی پچھ پاوں دیکھت منج لوکہر سو کون آنا تھا
کہتے دل عرش رب کا ہے سو میرا دل دکھا کر گئے
یوان کوں کیا مناسب ہے جواب کا عرش ڈھانا تھا
اول میں مان کرتی تو مجے کئی دھات سمجائے
اتا تو بیٹھ ہستی تو، چکل مجہ گل کوں لانا تھا

اگر تقصیر تھی تو بی، نصیحت آپ منجہ کرنا
اتیا اد کرن تھا تقصیر سو منجہ یوں دور بھانا تھا
کسی پر کیا سخن دھرنا، پیا شغلی ہے کھوٹے
نصیباں کا لکھا پیارے، مرا لکھو منجہ کوں کھانا تھا

---

[۸]

سن رے جیا آخر پیا کیا کیا کرے گا دیکھنا
اس تن کوں تج نے کر جدا کاں لے دھرے گا دیکھنا
اب تو یہاں برف جبہ سوں گزراں کرتا ہے و سلیا؟
واں تو کتے بھوکے کٹھن کیوں کیوں پھرے گا دیکھنا
یاں تو سدا ہر بات کوں کرتا ہے رتبہ سیر طیر
اس ٹھار سوں اٹھ ٹھار جا کاں کاں پھرے گا دیکھنا
دنیاں منے کئی بھانت کے چکتا ہے لذت روز سب
بن جاے کر یاں سوں وہاں کیا کیا چرے گا دیکھنا
شغلی اگر یکبارگی یہاں مرا مرجن نے ہوا !!
جیتا چ ادرسگا وہاں نا پھر مرے گا دیکھنا !!

---

[۹]

محبوب کیرے طرف سوں دوتن ہو کر آئی صبح
عاشق کے تئیں معشوق کا پیغام یو لیائی صبح
اے عاشقاں عیار ہو اس صنم کے غمخوار ہو !!
جاگو سگل ہشیار ہو سوتیاں کو فرمائی صبح

کسوت شعاع جھلکار تن زرتار سے دستے کرن
اند کار گھنگھٹ کا کاڑ دھن مکھ سور جھلکائی صبح
سرخی یو نیں اسمان کی لب پر دھری ہے پان کی
پیری ہی صنم بھوان کی کھائی سو رنگ پائی صبح
شغلی اگر تج بخت ہے منگتا وصل کا تخت ہے
تو نور کا اٹھ وقت ہے یوں بول دیتیں دھائی صبح

---

(۱۰)

معشوق بن عاشق کوں ہے اوقات تلخ
بن شمع پتنگ کوں ہے جیوں حیات تلخ

خوباں کی انجمن میں دوئی تلخ لگے یوں
شطرنج کی بازی میں ہے جیوں مات تلخ

الحق مُر حق ہے سٹھا جھوٹ تلخ سچ
بن جھوٹ جھوٹے کوں لگے سچ بات تلخ

بھوکا سکے ٹکڑے کوں شکر پارہ ثمن کھائے
بن بھوک لگے دود شکر بھات تلخ

ہے بھوک وصل کی تو پکڑ پیر کامل
بن پیر لگے تج کوں وصل ذات تلخ

بن وصل کیا دو جہاں حاصل تو عبث ہے
بن بوجھ لگے تج پور موزات تلخ

عاشق کوں ختم کیچ پر تسبیح صلاتج
بن مومن مشرک کوں ہے تج عرفات تلخ

شغلی کے نین جیوں دو چکوراں ہے منہ چاند
بن چاند چکوراں کوں اسیہ رات تلخ

---

(۱۱)

یاراں غروب ہوے گا حیات ایام آخر
آتا ہے سگل پریت کی شام آخر

ساقی ہو آپ معشوق دیتا ہے دور پر دور
نوبت سوں تب اجل کا پیالا ہے جام آخر

دو دِن کی حیاتی رب جیوں تیوں رہنا کرنا عمل وہی جو آتا ہے کام آخر
پادشاہ یا گدا ہو یا انبیا ولی ہو جانا ہے سب کوں اپنے اپنے مقام آخر
رہ سے نہ تو فنا ما اس جگ میں یادگاری تا حشر لگ رہیں گا تیرا کلام آخر

شغلی اگر یہاں سوں توں کوچ کر چلے گا
وہاں ذات میں شغل سوں رہنا مدام آخر

ایاغی کا فراق نامہ

محمد امین ایاغی، عادل شاہی دور کا ایک مقبول شاعر ہے۔ اس کی شہرت کا دارومدار ایک مختصر مذہبی مثنوی "نجات نامہ" پر ہے۔ یہ مثنوی علی عادل شاہ ثانی (۱۶۵۶ء - ۱۶۷۲ء) کے دور میں لکھی گئی۔ ایاغی کے ہم عصر شاعروں میں نصرتی، حسن شوقی اور ہاشمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ایاغی کے ایک ہم عصر شاعر سرور نے اپنے مرثیے میں "ایسے استادِ سخن کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور اس کے شاعرانہ کمال کی بے حد ستائش کی ہے سرور کو اس بات کا فخر ہے کہ اس نے ایاغی جیسے بلند پایہ شاعر کے آگے زانوئے ادب تہہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ حیثیت مرثیہ نگار اُسے اسقدر مقبولیت حاصل نہیں ہوتی اگر ایاغی جیسا استادِ سخن نصیب نہ ہوتا۔

نہ ہوتا مرثیہ مشہور سرور جگ میں جیوں سورج ایاغی گر سخن کے فن میں تجھ استاد نا ہوتا[۱]

افسوس کہ ایاغی کا کوئی مرثیہ ہنوز دستیاب نہیں ہوا۔ ڈاکٹر محمود نادری نے "مجلہ تحقیقات اردو جامعہ عثمانیہ ۱۹۸۰ء میں سرور کے متذکرہ بالا مرثیے کو ایاغی سے منسوب کیا ہے شاید انہیں مرثیے کے آخری شعر میں ایاغی کے نام سے تسامح ہوا ہے۔[۲]

مولوی سخاوت مرزا نے ایاغی کی ایک مختصر مثنوی "مثنوی فرائض کی نشاندہی کی ہے[۳] راقم نے اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) میں محفوظ اس مثنوی کے قلمی نسخے کا مطالعہ کیا تو پتہ چلا کہ یہ ایاغی کی کوئی اور تصنیف نہیں بلکہ "نجات نامہ" ہی ہے جسکے پہلے ورق پر کسی نے "مثنوی فرائض" تحریر کیا ہے۔ ایاغی کی ایک غزل کو جسکا قافیہ خیال، سنبھال، جمال اور ردیف "انکھ" ہے مولوی سخاوت مرزا نے مجلہ "اردو" (کراچی اپریل ۱۹۵۴ء) میں، مولوی نصیر الدین ہاشمی نے "دکن میں اردو" میں ڈاکٹر نذیر احمد نے "علیگڈھ تاریخ ادب اردو" میں اور راقم نے چند اشعار کے اضافے کے ساتھ "دکنی غزل کی نشوونما" میں نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو (جلد اول) میں ایاغی

کی ایک اور غزل شائع کی ہے جسکا مطلع اور مقطع درج ذیل ہے۔

مرے من بنے آج او دھیان ہے — کہ اس مست نخوں ریز کا دھیان ہے
زمیں پر سرج کوئی دیکھیا نہیں — ایا آغی تجھے دیک حیران ہے

راقم الحروف کو کتب خانہ سالار جنگ کے گنجینہ مخطوطات میں ایا آغی کی ایک چودہ اشعار پر مشتمل ایک مرصع غزل دستیاب ہوئی ہے یہ غزل ریختی میں ہے اور شاعر نے اپنی اس تخلیق کو فراق نامہ کا نام دیا ہے۔[۵]

شاعر کیا' ایا آغی' اپنا فراق نامہ — سن کر جتے کبل سیر عقلاں سوں کبسر گیے

فراق نامہ

ایسا مکر پیا آج میرے سنگات کر گیے
باتاں میٹھیاں لگا کر کئی بھانت سوں نتر گیے
سوں کھا کے بولتی تھی پیو تھے جدا نہ ہو سوں
دیکھو سکی سریجن بھی کیوں دو تن کے گھر گیے
سب رین جاگتی تھی آدیں گے کر سریجن
میرے مندھر نہ آئے دو تن کی سیج پر گیے
او سخت بے خبر تھے جن پیو یاج جیتے !!
یک تل فراق سٹ کا مجھ پر قرن گذر گیے
سلگے برہ اگن تھے چنگیاں جھڑیاں نین تے
کمپانہ کر کے رو رو انجو نین کے نسر گیے؟
پلکھاں بتیاں' نین دو دیوے سو تیل انجو
سلگا کے دھونڈتی ہوں لالن کہو کدر گیے
اس برہ کے درد کوں افسوں ... جلے گی
اس درد کوں ہزاراں افسوں گران منتر گیے

۵۔ بیاض مراثی مخطوطہ۔

رُس کر چلے سر سجن بھی کئی وقت بلا تے
جاتے وقت ہمارے سینے دو لھو سوں بھر گیے
یکتل جاتی تو پیو تے جدا نہ ہوتی یا!
جاتی سنگات میں مل میرے پیا جدھر گیے

سچ بولتے ہیں لوگاں ہے یے دنیا سرِ سجن
دو تن کی بات یہ مج کیوں داغ دل کر گیے
اس برہنی کا یہ رہا لکھتے وقت سجن کوں
سینا پھوٹیا قلم کا جل راکھ ہو بتر گیے
دو کہ سو سن مج دکھیا کا رو یا ر گت صبح نے
لالی تبن چمن بہا چشمے رگت سوں بھر گیے
مگتی ہوں سوز اپنا بولوں پتنگ کے آگے
جو بات موں کی موں میں جل کر پتنگ بکھر گیے
شائع کیا اساغی اپنا فراق نامہ
سن کر جتے کبل سیر عقلاں سو سب بسر گیے

دیوانِ فدوی - ایک تعارف

پیشِ نظر مضمون میں ہم دکنی کے ایک گم نام لیکن خوش گو صاحب دیوان ستاعر فدوی اور اس کے غیر مطبوعہ دیوان کا تعارف کرواتے ہیں۔ فدوی کا قلمی دیوان ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کے خزینہ مخطوطات میں محفوظ ہے۔ اس مخطوطے کا تذکرہ ڈاکٹر زور نے "تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو" کی تیسری جلد میں کیا ہے۔ شعرائے اردو کے تذکروں میں فدوی تخلص کے حسب ذیل شاعروں کا ذکر ملتا ہے۔

۱ : فدوی — میر فضل علی دہلوی[۲]

۲ : فدوی — محمد محسن ابن میر غلام علی مصطفیٰ خاں لاہوری[۳]

۳ : فدوی — مرزا محمد علی دہلوی عرف مرزا بچھو[۴]

۴ : فدوی — مرزا فدائی بیگ لاہوری معاصر سودا[۵]

۵ : فدوی — سستمن لال کائستھ دہلوی[۶]

۶ : فدوی — مرزا عظیم بیگ۔ تذکرہ سرور اور گلشن بے خار میں ان کا تخلص فدائی لکھا ہے۔

۷ : فدوی — فدوی خاں، دکنی الاصلی[۸]

فدوی نے اپنے کلام میں جگہ جگہ ولی کا ذکر کیا ہے اور ولی کی غزلوں کی زمینوں میں غزلیں لکھی ہیں۔ و نیز اس کی زبان و بیان پر بھی دکنی شاعری کی گہری چھاپ موجود ہے اس لئے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ فدوی ایک دکنی شاعر ہے ڈاکٹر زور فدوی کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

---

۱) ڈاکٹر زور: تذکرہ مخطوطات، ص ۱۷۸ تا ۱۸۰ ۲) تا ۵) یادگار الشعراء مرتبہ اشپرنگر ترجمہ طفیل احمد ۱۹۴۳ء الہ آباد ص ۱۵۳ ۶) محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن (جلد دوم) مرتبہ عبدالجبار خاں صوفی ملکاپوری ص ۸۹

"زیر نظر مخطوطے میں جس فدوی کا کلام ہے وہ دکنی شاعر ہے اور ولی کا معاصر معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دیوان کی اکثر غزلیں ولی کی غزلوں کی ہم طرح ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ ولی کے ساتھ لکھی گئی ہیں یا بعد میں ان کی زمین میں لکھی گئی ہیں۔" ع۱

متذکرہ بالا شاعروں میں صرف ایک ہی شاعر فدوی خاں دکنی الاصل ہے۔ اس لیے گمان غالب ہے کہ پیش نظر دیوان اسی شاعر کی تخلیقی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ عبد الجبار خاں صوفی ملکاپوری ہی وہ واحد تذکرہ نگار ہے جس نے اپنے تذکرہ "محبوب الزمن تذکرہ شعرا ئے دکن" میں فدوی خاں فدوی کو جگہ دی ہے۔ وہ کہتے ہیں

" فدوی تخلص۔ فدوی خاں نام۔ دکنی الاصل ہے کسی تذکرہ نویس نے آپ کے اصل وطن و ولادت و وفات کی نسبت کچھ نہیں لکھا۔ ہاں میر عزلت کی بیاض سے اس قدر معلوم ہوا کہ سنہ ۱۱۷۶ھ میں حیدرآباد میں آصف جاہی سفیدارون میں معزز و مکرم تھا۔ شاعر خوش بیان و رنگین زبان تھا۔ ظریف الطبع و لطیف الوضع تھا۔ آپ کا کلام ایہام و تلازمہ شعریہ سے پاک و صاف ہے آپ کا انتقال بارہویں صدی کے شروع ہجری میں ہوا من اشعار الہندی ؎

جان من جان جہاں تھا مجھے معلوم نہ تھا	مین دیا جان کے تیں خان جاناں اپنا
عشق یوں فیض رساں تھا مجھے معلوم نہ تھا	حیف عمر گنوایا میں بلا عشق سے دل
شوخ دل ابرو کمان تھا مجھے معلوم نہ تھا ع۲	سہم مژگاں سے کیا تن کو مشبک میرے

ع۱ ڈاکٹر زور۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (جلد سوم) ص ۱۷۲

ع۲ عبد الجبار خاں صوفی تذکرہ شعرا ئے دکن۔ ص ۱۹۰۔۱۹۱

عبدالجبار خاں صوفی نے فدوی کی جس غزل[1] کے تین اشعار نمونتاً پیش کئے ہیں اتفاقاً وہ اس دیوان میں موجود نہیں ہے۔ فدوی تخلص کے دکنی شاعر کا کلام ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی درج ذیل بیاضوں میں بھی ملتا ہے۔

۱۔ بیاض نمبر ۸۹۶ "کلام شعرائے اورنگ آباد" اس بیاض فدوی کا سات بند کا ایک مخمس ہے جس میں ایک فارسی شعر کی تضمین کی گئی ہے۔ فدوی کے علاوہ اس مخطوطے میں جن اورنگ آبادی شاعروں کا اردو کلام موجود ہے ان کے نام یہ ہیں ولی اورنگ آبادی، سراج اورنگ آبادی، شاہ قاسم، اسد علی تمنا، ضیا اور قمر۔

فدوی کے مخمس کا پہلا بند یہ ہے۔

سینو ذرا یہ گفتگو شب کو بروے آب جو ۔۔۔ پیتے تھے مئے سبو سبو مل کے صنم کے دو بدو
مشغل جہہ تھی روبرو ہم تھے یا وہ تھا خوبرو ۔۔۔ لیک ہوئے یار سفر آخر شب منن نہ رو

صبح دمید و شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روے سحر سیہ شود یار بہ ایں بہانہ رفت[2]

۲۔ بیاض نمبر ۹۵۱ (ورق ۱۴، ۱۳) اس بیاض میں بھی فدوی کا ایک مخمس موجود ہے جو سات بندوں پر مشتمل ہے[3]۔ یہ ایک دلچسپ نظم ہے نصرتی نے بھی اسی ردیف میں ایک غزل کہی تھی۔ مسدس کا ابتدائی بند ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

اے جان من کہا تو کہی موں سنبھال بول ۔۔۔ جادو نین کہا تو کہی موں سنبھال بول
سرو چمن کہا تو کہی موں سنبھال بول ۔۔۔ گل پیرہن کہا تو کہی موں سنبھال بول

اے من ہرن کہا تو کہی موں سنبھال بول

---

[1] یہ غزل سراج اورنگ آبادی کی درج ذیل غزل کی زمین میں ہے۔
قد ترا سرو رواں تھا مجھے معلوم نہ تھا ۔۔۔ گلشن دل میں عیاں تھا مجھے معلوم نہ تھا۔

[2] ملاحظہ ہو تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد چہارم) مرتبہ ڈاکٹر زور ص ۲۶۵

[3] ملاحظہ ہو تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد پنجم) مرتبہ ڈاکٹر زور ص ۱۱۳

کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد کی قلمی بیاضوں میں فدوی تخلص کے کسی قدیم شاعر کے دو مخمس موجود ہیں ایک وہ ہے جو ادارہ ادبیات اردو کی بیاض ۸۹۶ میں ہے لیکن دونوں میں اختلاف نسخ موجود ہے۔ کتب خانہ سالار جنگ کی بیاض میں اس مخمس کے صرف پانچ ہی بند ہیں جبکہ ادارہ کی بیاض میں سات بند۔ دوسرا مخمس بھی پانچ بندوں پر مشتمل ہے پہلا اور آخری بند یہ ہے

۱۔ کتب خانہ سالار جنگ بیاض نمبر ۱۶۸ (دواوین)

(پہلا بند)

کون کہے میری طرف سے جا کے دلبر سوں سلام؟
ناز کے پنجوں کو اور ابرو کے خنجر کو سلام
نین کے صمصام کو پلکاں کے نشتر کو سلام
گلسری گلہار بازوبند بیر کو سلام!
کاں تلک بولوں بیاں سب تن کے زیور کوں سلام

(آخری بند)

خط کے یا... بکوں کوں اور زلف کے اختشام کو
تجھ صراحی سے گلے کو اور لبوں کے جام کو!
کر و عیاری کو اور میٹھی نزی دشنام کو!؟
دمبدم کہتا ہے فدوی تجھ مبارک نام کو۔
حسن کے گلشن کے اس قد صنوبر کو سلام

قدیم اور جدید اردو ادب کے بلند پایہ عالم ڈاکٹر جمیل جالبی٭ وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے میرے ایک استفسار کے جواب میں قدوی کے بارے میں درج ذیل معلومات بہم پہنچائی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ!

فدوی کے بارے میں فی الحال میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میرے پاس جو نوٹس ہیں ان میں فدوی نام شاعر کے مخمس، ترجیع بند، واسوخت، مرثیہ اور غزلیات کے حوالے موجود ہیں یہ کلام انجمن کی بیاضوں میں میری نظر سے گزرا تھا جس کی تفصیل یہ ہے!

بیاض نمبر ۲۸٦/۳ صفحہ ۱۲۴ - ۱۲۵ پر ایک مخمس درج ہے

بیاض نمبر ٦۲۲/۳ صفحہ ۳۳ پر ایک ترجیع بند درج ہے۔

بیاض نمبر ٦۳۱/۳ صفحہ ۱۵۰ پر ایک غزل درج ہے

بیاض نمبر ٦۲۹/۳ صفحہ ۱۱۵ تا ۱۱۸ ایک واسوخت درج ہے

بیاض نمبر ٦۸۳/۳ صفحہ ۱۰ و ۱۱ پر ایک مرثیہ درج ہے

مخطوطے کی کیفیت: یہ قلمی دیوان ۸½ × ۵½ کے ۱۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ پر ۱۹ سطریں تحریر کی گئی ہیں۔ کاغذ قدیم۔ خط نستعلیق شکستہ زمانہ کتابت قریب ۱۲۰۰ھ مخطوطہ کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے

ایزد کے نام پاک سوں میں ابتدا کیا	بعد از ثنا و نعت رسول خدا کیا
ہے خاتم نبوت ہے تاج مرسلاں	اس ناؤں پر سوں جیو اپس کا فدا کیا

٭ راقم الحروف کے نام مکتوب مورخہ ۱٦ جون ۸۳ء۔

درج ذیل اشعار پر یہ دیوان ختم ہوتا ہے۔ ۹

نشانہ میں ہوا ہوں جگ میں بس ہر اک ملامت کا
بجز تج لطف کے نیں مج سپر یا شاہ جیلانی

یہی منگتا ہے فدوی تجہ جناب عالی ہمم سیتے
ہمیشہ بخش دشمن پر ظفر یا شاہ جیلانی

فدوی کے قلمی دیوان کا تعارف کراتے ہوئے ڈاکٹر زور تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اُردو کی تیسری جلد میں لکھتے ہیں کہ۔ " یہ دیوان مکمل ہے اور اس میں جملہ حروف کی ردیفوں میں کلام موجود ہے۔ حالانکہ اس میں صرف ردیف ا۔ ب ت۔ ث۔ ج۔ خ۔ ذ۔ ر۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ غ۔ ک۔ ل۔ م۔ ن و۔ اور ی میں غزلیں ملتی ہیں باقی ردیفوں میں ایک غزل بھی نہیں ہے۔

بقول ڈاکٹر زور اس دیوان کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے آغاز سے قبل فدوی نے ۱۷ اشعر کا قصیدہ قلمبند کیا ہے جو دراصل اس دیوان کے دیباچے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نظم میں حمد و نعت و منقبت صحابہ و دوازدہ ائمہ معصومین و مدح محبوب سبحانی و خواجہ بندہ نواز کے بعد اولیا سے مدد مانگ کر دیوان کے آغاز کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے ذیل میں مکمل قصیدہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایزد کے نام پاک سوں میں ابتدا کیا
بعد از ثنا و نعت رسول خدا کیا

ہے خاتم نبوت و سرتاج مرسلاں
اس ناوں پر سوں جیو اپس کا فدا کیا

صدیق ہور عمر سوں مجے روز و شب ہے کام
جس حب کوں دو جہاں میں اپس مدعا کیا

عثمان کا تو مہر بھر کر دل میں بھون ہے
شاہ نجف کی خاک قدم توتیا کیا

دو ہے علی ولی کہ جو کہتے ہیں ذوالفقار
کفار پر وو مجلس محشر بپا کیا
رہنے کے تئیں دو جگ میں امن ہور امان سوں
ورد زباں میں نام یو خیر النساء کیا
اوّل کیا نیاز حسن کے جناب میں
حامی اپس کا بعد شہ کربلا کیا
ہوں جان و دل سوں خدمت عابد میں معتقد
حق جس کوں زیب و زینت ہر دو سرا کیا
جاں محو ہے محبت باقر میں رات دیس
جعفر کوں صدق سات ابدال رہنما کیا
کاظم کیا یو راہ نوازش میں پرورش
ہور حال پر کرم سیکر موسیٰ رضا کیا
اداب سب ادب کے بجالیا تقی ستے
نثار دو جگ نقی میں لی التجا کیا
اے عسکری تمن سوں مجھے بہوت آس ہے
مہدی کوں روز حشر کے تئیں آسرا کیا
روز ازل سوں ہوں ہیں غلاماں میں پرورش
حب دل میں سیکر شہ جیلاں کا جا کیا
بندہ نواز دو جو جلالت کی کر نظر
پل میں گدا کوں سرفرا کیا، شہ کوں گدا کیا

ان سب ولیاں سوں منگ کے سو یکبارگی مدد
دیوان کوں شروع ہو یو بے نوا کیا
الہام غیب پر جو اتھا میں تو منتظر
اتنے میں یک بیک مجھے ہاتف ندا کیا
قوت یو شعر کا ہوا فدوی سیتی تدہاں
جب شہ علی نے دل سوں ترے تیئں دعا کیا

قصیدے کے علاوہ دیوان میں جملہ (۳۷) غزلیں موجود ہیں۔ جملہ اشعار کی تعداد ۶۰۶ ہوتی ہے۔
ڈاکٹر زور نے اشعار کی تعداد قیاساً ۷۵۰ بتائی ہے۔ ؎۱
ذیل میں ردیف وار غزلوں اور اشعار کی تعداد درج کی جاتی ہے۔

ردیف	غزلیں	اشعار	ردیف	غزلیں	اشعار
ا	۱۶	۱۴۶	ش	۱	۱۰
ب	۱	۷	ص	۱	۷
ت	۳	۱۶	ض	۲	۱۰
ث	۲	۱۲	غ	۱	۷
ج	۱	۱۰	ک	۱	۵
خ	۱	۷	ل	۱	۹
د	۵	۳۷	م	۱	۵
ر	۳	۲۶	ن	۱۳	۱۰۶
س	۱	۹	و	۱	۷
			ی	۱۹	۱۵۱

؎۱ ڈاکٹر زور۔ تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد سوم) ص ۱۸۰

فدوی ایک خوش گو اور قادر الکلام غزل گو ہے اس کے کلام کے مطالعہ سے اس کی فنی بصیرت اور تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے اپنے مقطعوں میں ولی اور عجزی کا ذکر کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ولی یا عجزی کے آگے زانوے ادب تہہ کیا ہوگا۔ ایک مقطع میں اس نے اپنے کمال فن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ آج انوری زندہ ہوتا تو میرے کلام سے محظوظ ہوتا۔ اس کی یہ شاعرانہ تعلّی بے جا بھی نہیں معلوم ہوتی۔ چند شعر دیکھیے۔

کس بھانت کے میٹھے بچن کہتا تو فدوی سن کے سب
اس وقت میں اچھا اگر محظوظ ہوتا انوری !

جگ میں شیرینی و لطافت سیں
شعر فدوی کا دل پذیر ہوا !!

اکثر سخنوراں نے مجھ شعر سن کے بولے
فدوی کا ایک مصرع دیوان کے مقابل

غزل فدوی کی سن کر یوں کہے خوش ہو کے موہن نے
نہیں تجھ سار کا بانی جگت میں تازہ مضموں کا

پھر پھر ولی کا مصرع آتا زباں پہ فدوی
دوزخ ہے تجھ کوں بیو بن گلزار کا تماشا

سخت مشکل ہے اے عزیزاں ہو !
شعر کہنا ولی کے مضموں کا

ہوتی ہے دل کوں فرحت کرنے ستی مطالعہ
عجزی کے شعر میانے ہے لطف انوری کا

ہوا دل چیپ فدوی کوں اے عجزی مصرع رنگیں
پڑی ہے کاں سوں تیغ ابروے خمدار میں آتش

درج ذیل غزل ولی کی زمین میں ہے۔

دیکھا ہوں جب سوں تیرے رخسار کا تماشا
لگتا ہے دشتِ آتش گلزار کا تماشا

ولی کا مطلع یوں ہے۔

دیکھا ہے جن نے تیرے رخسار کا تماشا
نیں دیکھیا شرر کی جھلکار کا تماشا

اسی زمین میں سراج نے بھی بہ تبدیل قافیہ ایک غزل کہی ہے جس کا مطلع ہے۔

گر آرزو ہے تجھ کوں تالاب کا تماشا
عاشق میں چشم کی آ دیکھ آب کا تماشا

فدوی نے اپنی غزلوں کے بعض اشعار میں نعت اور منقبت کے اشعار بھی کہے ہیں۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

شافع روز قیامت احمد مختار بس
ہادی مشکل کشا مجھ حیدر کرّار بس

یا علی درد دل کا درماں کر
مشکلات جہاں کو آساں کر

یو ہے فدوی کا عرض شاہ نجف
ہند کے تئیں توں رشک ایراں کر

باشہ جیلاں قدم اپنے مبارک کوں دکھا
شاد فدوی کے کریں گے کب دل غمناک کوں

ذیل کی مکمل غزلیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح میں کہی گئی ہیں

دو جگ کے ملک کا ہے سلطان غوث الاعظم
ہے شاہ ہور گدا کا ایمان غوث الاعظم

ہوں گردش فلک سوں حیران و مضطرب میں
مجھ خستہ دل پہ کر تو احسان غوث الاعظم

تیرے بغیر جگ میں فریاد اس نہیں مجھ
ہر درد دل کا میرے درماں غوث الاعظم

حاجت بدل دو نوبت مثل صدف ہیں وا مجھ
اپنے کرم کا برسا نیسان غوث الاعظم

ہے جان و دل سوں فدوی تیرا غلام صادق
کر اس اُپر کا مشکل آسان غوث الاعظم

کرم کی مجھ پہ فرما یک نظر یا شاہ جیلانی
کہ یعنی شام کوں کر سحر یا شاہ جیلانی

حسد لیجاسے میرا شان و شوکت دیکھ کر قارون
دلا کر مجھ کوں اپنا سیم و زر یا شاہ جیلانی

دم عیسیٰ نمن مجھ دم کہ دے عالم منے شہرت
زباں کوں بخش کر میرے اثر یا شاہ جیلانی

نشانہ میں ہوا ہوں جگ میں بس تیر ملامت کا
بجز تجھ لطف کے نئیں مجھ سپر یا شاہ جیلانی

یہی منگتا ہے فدوی تجھ جناب عالی ہمم سیتے
ہمیشہ بخش دشمن پر ظفر یا شاہ جیلانی

دیوانِ فدوی کے آغاز سے قبل، پہلے ورق پر فدوی نے کسی میر صاحب کی تعریف میں درج اشعار لکھے ہیں۔

میر صاحب مشفق والا گہر　　حق کرے دو جگ میں تم کوں نام ور
حق تعالےٰ تجھ کرے عالی نصیب　　بادشاہی تجھ کوں دیوے بحر و بر
کافروں کو مار سارا ملک لے　　سب رقیباں تیرے ہوتیں گور خر
تجھ کوں دیوے قادرِ ملک ختن　　بلکہ دریا ملک خشکی سیر کر
پادشاہ امرا میں توں یوں دسے　　- - - - - - - - - - - -

یہ اشعار حاکم وقت کی تعریف میں ہیں ان اشعار سے زور صاحب نے قیاس کیا ہے کہ یہ ناصر جنگ شہید کی تعریف میں لکھے گئے ہوں گے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "اس دیوان کے آغاز سے پہلے ایک نظم ہے جو غالباً نواب ناصر جنگ شہید کو مخاطب کر کے خط کے طور پر لکھی گئی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نظم میں ناصر جنگ کو میر صاحب کے نام سے مخاطب کیا گیا ہے ممکن ہے کہ بے تکلف دوستوں اور بزرگوں اور قریبی لوگوں میں وہ اسی نام سے مشہور رہوں کیوں کہ ان کا اصل نام میر احمد ہی تھا۔[1]

ڈاکٹر زور نے محض قیاس آرائی کی بنا پر کہا ہے کہ فدوی نے ناصر جنگ شہید کی تعریف میں اشعار کہے ہیں اور ناصر جنگ سے فدوی کے قریبی تعلقات تھے۔ لیکن اس سلسلہ میں فدوی کے کلام سے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا اس لیے قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فدوی نے ناصر جنگ کی تعریف میں شعر کہے ہیں یا وہ اُن کے قریبی احباب میں تھا۔

فدوی اٹھارویں صدی کے ربع الاول کا ایک قادر الکلام اور بلند مرتبہ شاعر ہے وہ ولی کا معاصر نہیں تو سراج اور داؤد کا ہم عصر ضرور ہوگا۔ سادگیِ بیان اور تاثر کی فراوانی فدوی کے کلام کا نمایاں وصف ہے۔ چھوٹی

[1] تذکرہ مخطوطات (جلد سوم) صفحہ ۱۷۹

بحروں میں قدوی کی غزلیں ایک طرف غواصی اور ولی ہم پلہ معلوم ہوتی ہیں۔ تو دوسری طرف ان غزلوں کے مطالعہ سے میر تقی میر کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ چند شعر دیکھئے۔

دن پہ غالب ہے رات کا پردا ‏‏‏‏ دیکھ آپر کیس یوں دسے دھن کے

نس کوں کسکو دکھا نہ ایسیں صنم ‏‏‏‏ چاند کا اعتبار جاتا ہے

دل مرا دل ربا کے کو پنچے ہیں ‏‏‏‏ کیا کروں بے قرار جاتا ہے

خبر پیو کے جانے کی سن قدوی ‏‏‏‏ جیو نکل تن سوں بھار جاتا ہے

تجھ سوں گستاخ ہو گئے لالا ‏‏‏‏ یوں گذرتا ہے یار ہا دل میں

شیشۂ چک میں گلب ان کے سبب ‏‏‏‏ ہے لبالب گلاب انکھیاں میں

ہجر سوں رتبۂ وصال بلند ‏‏‏‏ ہے خزاں سوں بہار کی لذّت

جو دیکھیا ہے چشم تری نیم تواب ‏‏‏‏ خواب میں نیں ناوں لیتا خواب کا

چشم تر رہنا سدا دلدار پاستا ‏‏‏‏ ہے قدر اس لولو نے نایاب کا

دکّنی اور نگ آبادی کی طرح قدوی کے کلام میں بھی زبان و بیان اور اظہار و اسلوب کے اعتبار سے دکنی اردو اور شمالی ہند کی بول چال کی زبان کے اثرات کی دھوپ چھاؤں نظر آتی ہے۔ جسطرح ولی کے دور اوّل کی شاعری

میں دکن کے علاقے میں بولی جانے والی زبان کا اثر غالب ہے اور شمالی ہند کے سفر کے بعد دوسرے دور کی شاعری میں، سعداللہ گلشن کے مشورہ کی وجہ سے فارسی شاعری کے اثرات بڑھنے لگتے ہیں اور پہلی بار ان کے کلام میں فارسی ترکیبیں اور اضافتیں نظر آتی ہیں۔ بالکل اسی طرح قدوی کے ہاں ایک طرف سوں، سیں، تے، تھے (بمعنی سے) بھوت (بہت) لو (یہ مضامیں) کوں (کو)، توں (تو)، تجھ (تیرا، تیری) مجھ (میرا، میری) سات (ساتھ)، یاں (یہاں) کاں (کہاں) نیں (نہیں) کوں (کہوں) اُپر (اوپر) وو (وہ) ادھر (لب) اتھا (تھا)، دیکھیا (دیکھا) جکوئی (جو کوئی) کئی (کوئی) انجھو (آنسو) ادھار (سہارا) دھن، پیو (محبوب) جیو (جان، دل) میراچ (میرا ہی) تیرچ (تیری ہی) لئی (بہت۔ زیادہ)، ہاں (تب) جدہاں (جب)، ہور (اور) جیسے الفاظ کی قدیم شکلیں جو اب متروک ہو چکی ہیں ملتی ہیں تو دوسری طرف وہ تراکیب اور اضافتیں بھی نظر آتی ہیں جو محمد قلی، وجہی، غواصی، نصرتی رستمی ہاشمی یا دکنی کے دوسرے شعرا کے کلام میں بالکل نہیں ملتیں لیکن ولی کے دوسرے دور کی شاعری میں بکثرت نظر آتی ہیں۔ قدوی کے کلام سے چند اضافتیں اور تراکیب ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

"نعتِ رسولِ خدا"۔ "تاجِ مرسلاں"۔ "شاہِ نجف"۔ "لولوئے نایاب" "گنجِ قاروں"۔ "قدِ موزوں"۔ "فضلِ یزدانی"۔ "پنجۂ عشق"۔ "رتبۂ وصال"۔ "زاہدِ خود نما"۔ "طاقِ ابروئے خوشیاں"۔ "نالۂ شب گیر"۔ "شافعِ روزِ قیامت"۔ "ہادئ مشکل کشا"۔ "دیدۂ خوں بار"۔ "دردِ سر"۔ "عشاق"۔ "شہہ ملکِ دل وجاں"۔ "غنچۂ لب"۔

آخر میں دیوان قدوی کے مخطوطے سے چند غزلوں کا انتخاب تدوینِ متن کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ ان غزلوں کے مطالعہ سے قدوی کے شاعرانہ مقام کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

(۱)

حُسن کا تج کوں مبارک تخت توں سلطان ہوا
حُسن کے دیوان کوں تو زینت و عنوان ہوا
عاشقاں غلطاں پڑے ہیں جیں اُپر مقتول ہو
تیغ جب تیری نگہ کا یک بیک رخشاں ہوا
جب تے پایا ہے ہمارے عشق نے شہرت بلند
نام مجنوں کا تدہاں تے جگ ستے پنہاں ہوا
تجہ بغیر گلشن میں جانے دل کوں اصلا نیں ہے میل
جنت الفردوس تیرے باج مجہ زنداں ہوا
دیکہ کے فدوی کے پرنم نین کوں کہتے ہیں خلق
از سرِ نو پھر کے پیدا نوح کا طوفاں ہوا

(۲)

مطلوب ہے تجے پیو گر آب کا تماشا
نظارہ کر یو چشم شاداب کا تماشا
کیوں جائے گی سلامت کشتی عقل کی جاناں
ہے حلقۂ زلف میں گرداب کا تماشا
دیکھیا ہوں جب سوں تجہ کوں اے آفتاب طلعت
نیں خوب مجہ کوں لگتا مہتاب کا تماشا
دنیا کے کر و فر میں مت بھول اے سریجن
نیں اعتبار رکھتا کچہ خواب کا تماشا
جب سوں جدا ہوا ہے میرے سوں دو پہری رد
ہے چاہ دل میں فدوی سیماب کا تماشا

(۳)

جو ہے مخمور چشم میگوں کا
اس کوں نیں احتیاج مجنوں کا

استقدر بے نیاز ہوں دل میں
خاک بوجھیا ہوں گنج قاروں کا

سرو آزاد کی نہ کر تعریف
عکس ہے پیو کے قدّ موزوں کا

رنگ مجہ اشک سرخ سوں جامہ
گر ہوس ہے لباس گلگوں کا

رکہ قدم کوں رہ توکل میں !!
کی ہوا ہے اسیر گردوں کا

سخت مشکل ہے اے عزیزاں ہو
شعر کہنا ولی کے مضموں کا

دیکہ فدوی کی بیخودی عالم
یاد کرتا ہے دور مجنوں کا !!

(۴)

دیکھیا ہوں جب سوں تیرے رخسار کا تماشا
لگتا ہے دشت آتش گلزار کا تماشا

اے زرد رو چمن توں دیکھلا نہ مکھ کوں اپنے
بس ہے مجے سجن کے دیدار کا تماشا !!

جو نیک و بد سوں جگ کے گذریا ہے پاک طینت
گلشن ہوا ہے اس کوں ہر خار کا تماشا

غیرت سوں دیکھتا نیں وو لالہ زار جانب !!
دیکھیا ہے مجہ جو چشم خونبار کا تماشا

پھر پھر ولی کا مصرع آتا زباں پہ فدوی !!
دوزخ ہے مجہ کوں پیو بن گلزار کا تماشا

---

[۵]

جس کوں ہے گل عذار سوں مطلب — اس کوں نیں ہے بہار سوں مطلب
پیو کے زلف کا ہے مج کوں خیال — ہے فسوں گر کوں مار سوں مطلب
عشق کے بے قرار کوں تس دن — نیں ہے صبر و قرار سوں مطلب
مجہ کوں کیا کام ہے رقیباں سوں — نیں ہے بلبل کوں خار سوں مطلب
ملتجی مت ہو کس حسیناں کا! — رکھ توں پروردگار سوں مطلب
نیں ہوں ہرگز میں اور کا پیرو — مجہ ہے ہشت و چہار سوں مطلب

ہر دو عالم میں ہے سو فدوی کوں
حیدر شہسوار سوں مطلب

[۶]

عاشق کے دل سوں پوچھو دل دار کی حقیقت — بلبل اپر عیاں ہے گل تار کی حقیقت
ہر تار زلف یتے' دلبر کے آشنا ہوں — ظاہر ہے برہمن پر زنار کی حقیقت
میں نقد جان اپنا اس پر نثار دیوں گا — جو کوئی آکہے گا مجہ یار کی حقیقت
میرے سخن پہ تم کوں گر اعتبار نیں ہے — موسیٰ کوں جا کے پوچھو دیدار کی حقیقت
بھولے گا مرض اپنا' ایوب اے عزیزاں — شک نیں اگر سنے مج آزار کی حقیقت

ہے سرو ہائے در گل اس روز سوں سریجن
فدوی سوں جب سُنیا تج رفتار کی حقیقت

[۷]

جس کوں لاگی ہے یار کی لذت — اس کوں نیں کاروبار کی لذت
تیشہ فرہاد' قیس کوں زنجیر — ہے انا الحق کوں دار کی لذت
ہجر سوں رتبۂ وصال بلند یا — ہے خزاں سوں بہار کی لذت
زلف میں اس پری کی اے یاراں — عین ہے لیل تار کی لذت

جو تپیا ہوے ہجر میں ہر شب — ہے اسے انتظار کی لذت

اے سجن سیر کر ہو خدری کی

چک میں ہے جو پیار کی لذت

[۸]

بن سجن کے سیر باغ عبث — روز روشن میں جوں چراغ عبث

گر نہ ہوے بر میں ساقی دلکش — فکر مطرب پیے و ایاغ عبث

دل ناشاد کوں تو لگتا ہے — عیش دنیا کا ہور فراغ عبث

گی جوانی پہ تجھ کوں اے جاناں — اس قدر ناز ہور دماغ عبث

جس طرف کام نا اچھے خدری

جستجو اس کی ہور سراغ عبث

[۹]

ہوا پردیس سوں بدتر سکی تجھ بن وطن مجھ کوں

لگے آتش کدہ گویا نظر میں سب چمن مجھ کوں

ضعیفی ناتوانی مجھ ہوتی ہے یہاں تلک غالب

ہوا بار گراں از بس یو میرا پیرہن مجھ کوں

کسی کی کیا خطا اس میں ازل سوں صانع قدرت

بنایا تجھ کوں کر خورشید کیتا برہمن مجھ کوں

ترے رخسار کی جاناں ملاحت کس میں نیں دیکھیا

لگے ہے آب نظراں میں چمن کے یاسمن مجھ کوں

عبث شکوہ شکایت سوں کسی کی کو تو کیا حاصل

پھنسا لیا کے پھاندے میں سکی تیرے نین مجھ کوں

یہی ہے آرزو دل میں اسو ہو گستاخ کہتا ہوں

لگے لا مہر سوں اپنے سرائے نازک بدن مجھ کوں

صبا رشک چمن سوں جا کے کہو پیغام قدؔری کا
تیرے بن ایک دن جانو ہوا ہے یک قرن مجھ کوں

(۱۰)

دیکھ کے دھن کے پُرخمار انکھیاں
کیوں ہیں بے تاب و بیقرار انکھیاں

نین مرے چک میں اشک تجھ خاطر
لیائے کرنے کوں دُر نثار انکھیاں

کیا کہوں کس سوں جا کروں فریاد
آج کھویاں میرا وقار انکھیاں

خوبرویاں اُپر اَٹک کے عبث
مجھ کوں کیتیاں ہیں شرمسار انکھیاں

پوچھنا ہے فکر دل میں مجھ نس دن
کس وقت ہوینگیاں دوچار انکھیاں

یار میری نظر میں بستا ہے
دیکھتا ہوں جدھر پسار انکھیاں

بول قدؔری کدن سوں موہن کوں
آو دیکھتیاں ہیں انتظار انکھیاں

(۱۱)

کیوں نہ آوے گا آب انکھیاں میں
جا کیا آفتاب انکھیاں میں

شیشۂ چک میں گل بدن کے سبب
ہے لبالب گلاب انکھیاں میں

ہے نظارے سوں دل کو بیہوشی
کیا تری ہے شراب انکھیاں میں

تاب تجھ مکھ کا جب سوں دیکھیا ہوں
تب سیتے نین ہے تاب انکھیاں میں

جس نے دیکھیا دو چشم میگوں کوں
ہے اسے خون ناب انکھیاں میں

شاہ ہے دل کے ملک کا قدؔری
جس کے تیں ہے حجاب انکھیاں میں

[۱۲]

اے سرو قد شیریں زباں جگ میں ترا ثانی نہیں
ہور حسن کے بن کوں سکل تیرے بغیر پانی نہیں

لکھتے وقت نامہ تجھے ازبسکہ دردِ دل سیتے
رو یا رگت سو ہے نشاں کاغذ یو افشانی نہیں

تجھ ہجر کے باعث سوں جو دل پریشاں ہے مرا
زلفِ پریشاں میں تری اتنی پریشانی نہیں

ناز و ادا سوں دل کے تیں تسخیر کے بل میں سکی
انداز ہے یو دلبری قانونِ یونانی نہیں

بولیا ہے قدسی یو غزل اس کے مقابل بولنا
ایسا سخن کہنے کسی دسرے منے پانی نہیں

---

[۱۳]

روز روشن ہوا ہے شام مجے
سنگ دل سوں پڑیا ہے کام مجھ

کف دل سوں گیا عنانِ قرار
جب سجن نے کیا سلام مجے

چشم پر خواب اس کی دیکھیا سو
خواب تب سوں ہوا حرام مجے

تجہ جدائی سوں اے مہِ انوار
داغ دل پر ہوا مدام مجے

مست وو دلربا کیا قدسی
بیخودی کا پلا کے جام مجے

سراجؔ کا رنگِ تغزّل

سراجؔ اورنگ آبادی (۱۷۱۵ء - ۱۷۶۳ء) اس پرعظمت شعری اور ادبی روایات کے آخری علمبردار ہیں۔ جو کم و بیش تین صدیوں تک بیدر گولکنڈہ اور بیجاپور کے دبستانوں میں نشو و نما پارہی تھیں۔ نظامی بیدری کے معاصرین تغلقی اور شتاق سے لے کر ولیؔ اور سراجؔ تک یہ ادبی روایت نئی سمتیں طے کرتی رہی۔ سراجؔ کے بعد دکنی شاعری کے صحت مند رجحانات میں ضعف آتا گیا اور اس کی جگہ فارسی شاعری کی روایات نے لے لی۔

۱۷۰۰ء کے بعد شمالی ہند میں فارسی شاعری کے زیر اثر نئے خطوط پر اردو میں شعر گوئی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے اردو شاعری میں بتدریج تصنع، تکلف، مبالغہ آرائی اور تخیل پرستی (IDEALISM) کا غلبہ ہونے لگتا ہے اور حقیقت پسندی (REALISM) یا واقعہ نگاری کے عناصر تقریباً مفقود ہو جاتے ہیں۔ ولیؔ اور سراجؔ سے قبل دبستان دکن کے معروف متغزلین میں فیروز۔ محمود۔ وجہی۔ محمد قلی۔ غواصی۔ عبداللہ قطب شاہ۔ نصرتی۔ ہاشمی۔ علی عادل شاہ شاہی۔ ہاشمی حسن شوقی۔ شاہ سلطان وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

سراجؔ صحیح معنوں میں محمد قلی۔ غواصی۔ حسن شوقی اور ولی کے جانشین ہیں۔ وہ ولی کے بعد اردو غزل کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں ان کی غزل کا نمایاں وصف، سادگیٔ بیان سوز و گداز اور تاثر کی فراوانی ہے۔ سراجؔ کے کلام میں جو کیفیت، وارفتگی اور رعنائی نظر آتی ہے۔ وہ ایک طرف ان کے خلوص اور جذبے کی شدت کی دین معلوم ہوتی ہے تو دوسری طرف اس میں وہ اسلوب بیان بھی

برابر کا شریک ہے۔ جو ہندوستانی اور ایرانی عناصر کے دلکش اور متوازن امتزاج کا نتیجہ ہے۔ فارسی زبان و ادب میں ماہرانہ قدرت اور قدیم دکنی شاعری کے بنیادی رجحانات سے وابستگی کی وجہ سے ان کی شاعری میں ایک رچی ہوئی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔

عشق سراج کی شاعری کا محور ہے جس کو وہ خلاصۂ کائنات اور حاصل حیات سمجھتے ہیں جس طرح میر کے والد بزرگوار نے انہیں "مذہب عشق" اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ بالکل اسی طرح سراج کے "استادِ مہرباں" نے اُن سے کہا تھا کہ "علم عشق" سے بہتر کوئی علم نہیں ہے۔ میر ہی کی طرح سراج اس جہاں سے سرسری گذرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ ہر جا جہان دیگر دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اس دنیا کی ہر شئے کو ایک عاشق کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

مذہب زاہدوں سے برتر ہے
عاشق پاکباز کا مذہب

کیا ہے عشق کے ہادی نے مجھ کوں
محبت کی ہدایت بے نہایت

سراج یہ مجھے استادِ مہرباں نے کہا
کہ علم عاشقی سے بہتر نہیں ہے کوئی علوم

عشق اور عقل میں ہوئی ہے شرط
جیت اور ہار کا تماشا ہے

سراج کو عام طور پر صوفی شاعر کہا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ صاحبِ دل صوفیوں کی خدمت میں بسر کیا تھا۔ وہ مزاجاً اور عملاً صوفی تھے۔ ان کے کلام میں روحانی تجربات کی حرارت بھی ملتی ہے لیکن ان کے ضخیم کلیات میں جو تقریباً تین ہزار پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے۔ سو دو سو اشعار کو چھوڑ کر تصور عشق خالصتاً مادی اور مجازی ہے سراج کا تصور محبوب قدیم دکنی کے دیگر شعرا کی طرح ایک منفرد

حیثیت کا حامل ہے۔ یہ محبوب محض خیالی اور روایتی نہیں ہے بلکہ اسی دنیا میں رہنے بسنے والا جیتا جاگتا انسان ہے۔ سراج نے اپنے محبوب کی جنس کو مبہم نہیں رکھا بلکہ برملا انداز میں اس کے لیے صیغۂ تانیث کا استعمال کیا ہے۔ سراج کے کلام کے مطالعے سے ایک ایسا محبوب سامنے آتا ہے جو تمام نسوانی محاسن کا مجسمہ ہے اور جس کو انہوں نے پری، حور، موہن، من ہرن، جانِ سراج، گل بدن، پیو، جانی ناموں سے یاد کیا ہے۔ محبوب کو وہ براہ راست مخاطب کرتے ہیں۔ اور دلکش پیرایے میں اس سے اپنے قلبی واردات اور کیفیاتِ عشق کا اظہار کرتے ہیں۔ ؎

اے جانِ سراج ایک غزل درد کی سن جا
مجموعۂ احوال ہے دیوان ہمارا

جان جاتی ہے اب تو آجانی
ہجر کی آگ پر چھڑک پانی

سنو تو خوب ہے ٹک کان دھر میرا سخن پیارے :: کہ عاشق پر نہ ہونا اس قدر بھی دل کٹھن پیارے

قدیم دکھنی کے دوسرے کلاسیکی شاعروں کے برعکس سراج کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے ہاں داخلی جذبات کی ترجمانی پائی جاتی ہے جب کہ قدیم دکنی کے دوسرے شعرا کا میلان زیادہ تر خارجیت کی طرف نظر آتا ہے۔ سراج کی غزلوں میں یہ داخلیت کہیں کہیں میر تقی میر کی طرح خود کلامی کی صورت اختیار کر لیتی ہے ؎

تجھے کہتا ہوں اے دل عشق کا اظہار مت کیجو
خموشی کے مکاں میں بات اور گفتار مت کیجو

پتلی ہماری نین جھروکے میں بیٹھ کے
بیکل ہو جھانکتی ہے پیا را کب آئیگا

تڑپنا تلملانا غم میں جلنا خاک ہو جانا
یہی ہے افتخار اپنا یہی ہے اعتبار اپنا

سراج کی شاعری کا ایک اہم موضوع تصوف ہے عشق میں ان کی از خود رفتگی مجاز

اور حقیقت کی حدوں کو ایک کر دیتی ہے اور محبت کا دائرہ وسیع ہو کر کائنات کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔

سراج ابھی بارہ برس ہی کے تھے کہ ان پر جذب و مستی کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی بے خودی کے عالم میں وہ گھر سے نکل کھڑے ہوتے۔ رات دن صحرا نوردی کرتے اور اپنا زیادہ تر وقت حضرت برہان الدین غریبؒ کے آستانے پر گزارتے جذب و مستی کی کیفیت جب ان پر طاری ہوتی تو فارسی شعر بے ساختہ منہ سے جاری ہو جاتے۔ ان کا بیان ہے کہ "اگر اں اشعار تمام بتحریر می آمد دیوانے ضخیم ترتیب می یافت"۔

سراج سنہ ۱۷۴۴ء میں ۱۹، ۲۰ سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالرحمن چشتیؒ سے بیعت ہوئے اس زمانہ میں انہوں نے اردو میں شعر گوئی کا آغاز کیا تھا اور ۱۷۴۷ء کے بعد مرشد کے حکم کی تعمیل میں شاعری ترک کر دی۔

اردو شاعری میں تصوف کی روایت بہت عام ہے۔ متعدد شاعروں کے کلام میں تصوف کے مسائل کا تذکرہ مل جاتا ہے۔ اردو غزل گو شاعروں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو سینکڑوں شاعر ایسے مل جاتے ہیں جنہیں عملاً تصوف سے کوئی تعلق نہیں تھا اسی وجہ سے ان کے کلام میں تصوف کے مسائل خشکی پیدا کرنے والے مسائل بن جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف سراج کے کلام میں روحانی کیفیات اپنے پورے حسن و جمال کے ساتھ نمایاں ہیں۔ انہوں نے تصوف کے مسائل کو عشقیہ لب و لہجہ میں سادہ موثر اور دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے سراج کے ہاں فلسفہ و تصوف کے مسائل بھی ملتے ہیں اخلاق و حکمت کی باتیں بھی ہیں۔ دنیا کی ناپائیداری کا ذکر بھی ہے پند و نصیحت بھی اور ملیت اخلاقی معیاروں کو اپنانے کی تلقین بھی۔

چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

تو فنا ہو اگر بقا چاہے   نیستی ہی تو دیکھ ہستی ہے

دو رنگی خوب نہیں یک رنگ ہو جا   سراپا موم ہو یا سنگ ہو جا

شراب معرفت پی کر جو کوئی مجذوب ہوتا ہے

در و دیوار اس کوں مظہر محبوب ہوتا ہے

روشن ہے اے سراج کہ فانی ہے سب جہاں
مطرب غلط ہے جام غلط انجمن غلط
راہ خدا میں اول ہے خود پرستی
ہستی میں نیستی ہے اور نیستی میں ہستی

سراج کے کلام میں جذبے کی شدّت فکر کی گہرائی تاثر اور سوز و گداز کو دیکھ کر میر تقی میر جیسے نازک مزاج اور حساس شاعر کو کہنا پڑا کہ "سخن او خالی از مزہ نیست" بقول ڈاکٹر جمیل جالبی۔

"پوری اردو شاعری کے پس منظر میں سراج کی شاعری کو رکھ کر دیکھا جائے تو اردو شاعری کے راستے پر ایک ایسی مرکزی جگہ کھڑے ہیں جہاں سے میر۔ درد مصحفی۔ آتش۔ مومن۔ غالب۔ اور اقبال کی روایت کے راستے صاف نظر آرہے ہیں۔ سراج نے اردو شاعری کے بنیادی راگ کو جگا یا ہے۔ اس لیے ان کی آواز ہمارے بڑے شاعروں کی آواز لئے اور لہجے میں موجود ہے۔"[1]

آخر میں سراج کے کلام سے چند ایسے اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن کے خیال اور مضامین کو بعد کے شاعروں نے اپنے اپنے انداز میں دہرایا ہے۔ قدامت اور افضلیت بہرحال سراج ہی کو حاصل ہے۔

سراج

ہوئی جوش محبت میں زباں بند
صنم کا درمیاں جب نام آیا

میر

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

سراج

ہرگز نہ سناؤ اسے زنجیر کی آواز
کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غش ہو

میر

سرہانے میر کے آہستہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

---

[1] ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول)، لاہور ۱۹۷۵ء ص ۵۷ء

سراج

ہم فقیروں پر ستم جیتے رہو
خوب کرتے ہو بجا کرتے ہو تم

میر

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

غالب

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

سراج

ہمیشہ دورِ عالم مختلف ہے
کہ گردش میں ہے ہر دم نیلگوں طاس

سراج

جس کوں راہ چشم سیں خون جگر جاری نہیں
یوں ہوا معلوم اس کوں زخم غم کاری نہیں

غالب

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

سراج

مت کرو شمع کو بدنام جلاتی وہ نہیں
آپ سیں شوق پتنگوں کو ہے جل جانے کا

ذوق

شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو
بخدا میں نے جلایا نہیں پروانے کو

ہاشمی کے غیر مطبوعہ قصیدے

سیّد میراں میاں خاں ہاشمیؔ عادل شاہی دور کا ایک بلند پایہ شاعر ہے۔ وہ شاہ ہاشم مہدوی (م ۱۰۸۰ھ / ۱۶۶۹ء) کا مرید اور معتقد تھا۔ اس کے ہم عصر دکنی شاعروں میں ملک الشعرا نصرتیؔ، علی عادل شاہ شاہیؔ، حسن شوقیؔ اور ملک الشعرا غواصیؔ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ہاشمیؔ کی قادرالکلامی، شاعرانہ فن کاری، قوت متخیلہ، انسانی جذبات و نفسیات کا شعور اور ذخیرہ الفاظ کی وسعت کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ وہ مادرزاد اندھا تھا۔ تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ ہاشمی بچپن ہی میں بینائی سے محروم ہو گیا تھا۔ ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ سن شعور کو پہنچنے کے بعد چیچک کی بیماری کی وجہ سے اس کی آنکھیں ضائع ہو گئیں۔ ہاشمی کے کلام کی اندرونی شہادتوں سے تذکرہ نویسوں کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ پیدائشی نابینا تھا۔ اپنے ایک قصیدہ (قلمی) میں اس نے اشارہ کیا ہے کہ "میں دونوں آنکھوں سے معذور ہوں، اسی لیے علوم و فنون کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کر سکا"۔

دونوں انکھیاں معذور ہوں تس پر پڑیا نہیں یک حرف
کیوں شعر بولو بولنا پختہ سو پاکیزہ ہموار[1]

بیجاپور کی تباہی کے بعد ہاشمی ارکاٹ چلا گیا تھا۔ اس کے قلمی دیوان (اعـ ۱۶۵) مخزونہ کتب خانہ سالار جنگ میں ہاشمی کے دو طویل قصیدے موجود ہیں، جس میں عالم گیر کے صوبہ دار نواب ذوالفقار خاں "نصرت جنگ" کی مدح کی گئی ہے۔ یہ دونوں ہاشمی کے بلند پایہ قصیدے ہیں جن کے مطالعہ سے شاعر کی فنی بصیرت اور ادبی مرتبے کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ ہموار

قدیم دکنی کے دیگر شاعروں کی طرح ہم ہاشمی کے تفصیلی حالات زندگی سے ناواقف ہیں۔ اس کی تاریخ پیدائش اور درمیانی زندگی حالات پردہ تاریکی میں ہیں۔ تاریخ وفات بھی مختلف تذکروں میں مختلف ملتی ہے۔ "تذکرہ شعرائے دکن" میں اسکا سنہ وفات ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء درج ہے جو صحت پر مبنی نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ ہاشمی، علی عادل شاہ ثانی (م ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۲ء) اور شاہ ہاشم عہدوی (م ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء) کا ہم عصر تھا۔ اس لیے اس کا اپنے معاصرین سے ایک صدی بعد تک بقید حیات رہنا بعید از قیاس ہے۔ صاحب "گلشن رعنا" نے ہاشمی کی تاریخ وفات ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء لکھی ہے جو اس لیے درست نہیں ہوسکتی کہ ہاشمی نے مثنوی "یوسف زلیخا" ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۷ء میں مکمل کی تھی ؎

مرتب کیا میں یو قصے کوں تو

ہزار برس پر تھے جو نود یہ نو

مولوی شمس اللہ قادری نے "اردوئے قدیم" میں اعراس بزرگان کے حوالے سے ہاشمی کی تاریخ وفات ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء متعین کی ہے۔ یہ سنہ بڑی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کیوں کہ اسی سال ارکاٹ کا مشہور قلعہ (قلعہ جینجی) فتح ہوا تھا اور اس موقع پر ہاشمی نے نواب ذوالفقار خاں کی تعریف میں ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ ہاشمی ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء میں بقید حیات تھا اور اسی سال یا اس کے بعد ۱۱۶۹ھ سے قبل اس نے وفات پائی۔ کیوں کہ غوثی ابن افصحی نے اپنی کتاب "ریاض غوثیہ" (قلمی) میں، جو ۱۱۶۹ھ کی تصنیف ہے ہاشمی کو فرقتی، غواصی اور فراقی کے ساتھ مرحوم شاعر کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ غوثی کے اشعار یہ ہیں ؎

ہاشمی بولیا زلیخا ذوق سوں	عشق میں جگ رو کے کھویا شوق سوں
سب اد اپنی طبع کا جودت دکھا	چھوڑ گیے آخر کوں اپنے فانی سرا [1]

---

[1] افسر صدیقی - مخطوطات انجمن ترقی اردو (جلد اول) ص ۲۵

دیوانِ ہاشمی کے علاوہ اس کی دوسری چیزیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ہاشمی کے دیوان کو ڈاکٹر حفیظ قتیل نے مرتب کر کے ۱۹۶۱ء میں ادارہ ادبیات اردو سے شائع کیا تھا۔ قتیل صاحب کے پیشِ نظر ہاشمی کے دیوان کا ایک ہی مخطوطہ تھا، جو کتب خانہ سالار جنگ کی زینت ہے۔ حالاں کہ ہاشمی کے دیوان کا ایک اور قلمی نسخہ (۱۹۹۹ جدید) اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری (کتب خانہ آصفیہ) میں بھی موجود ہے۔

ہاشمی کے غیر مطبوعہ کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے تاریخ ادب اردو (جلد اول) میں حسب ذیل کتابوں کی نشاندہی کی ہے "مثنوی یوسف زلیخا" "عشقیہ مثنوی" (قصہ) "مخمس در نعت مدح مہدی جونپوری" اور "معراج نامہ" راقم السطور نے ہاشمی کی ایک غیر مطبوعہ ہجویہ مثنوی (ابیات ہندی تصنیف ہاشمی) تدوین متن کے ساتھ شائع کی ہے[1]۔
ہاشمی نے اپنے کلام میں جگہ جگہ غزلوں اور مثنویوں کے علاوہ قصائد کا بھی تذکرہ کیا ہے وہ کہتا ہے۔

غزلاں قصیدے مثنویاں ہے جیوں تجہ بولنا	دھر پت خیالاں تجہ اپر آتا مجھے گانے موں ہیں
غزلاں قصیدے مثنویاں تعریف میں دھن کیج ہیں	سچ نیں جے لگتا سو وو دیکھ لیو ہر سر کا بیاض

پیشِ نظر مضمون میں ہاشمی کے دو غیر مطبوعہ قصیدے تدوین متن کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں قصیدے کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض (کلیات و دواوین مخطوطہ ۱۶۸) میں محفوظ ہیں۔ ان قصیدوں میں عالم گیر کے صوبہ دار نواب ذوالفقار خاں "نصرت جنگ" کی تعریف کی گئی ہے۔ ان قصیدوں پر درج ذیل عنوانات سرخ روشنائی سے تحریر کیے گئے ہیں۔

(۱) "قصیدہ ذوالفقار خاں تصنیف ہاشمی" (۲) قصیدہ سرس ہائے ہاشمی[2]
پہلا قصیدہ کتب خانہ سالار جنگ کی دو قلمی کتابوں "دیوان ہاشمی" (مخطوطہ ۱۱۲)

---

[1] ڈاکٹر محمد علی اثر۔ دکنی کی تین مثنویاں
[2] اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری میں اس قصیدہ کا عنوان "قصیدہ در آرزو سے وصل" ہے۔

اور "بیاض اشعار" (مخطوطہ ۱۶۸) کے علاوہ اورینٹل مینس کرپٹ لائبریری حیدرآباد (دیوان ہاشمی مخطوطہ ۱۹۹۹ جدید) میں بھی موجود ہے ۔ ۶۱ ابیات پر مشتمل یہ قصیدہ قلعہ جینجی کی فتح کے موقع پر کہا گیا ہے۔ جنوبی ہند میں صرف ایک جینجی کا ہی مضبوط قلعہ تھا جس پر مرہٹے قابض تھے۔ ذوالفقار خاں نے ۱۶۹۳ء میں اس کا محاصرہ کیا تھا اور پانچ سال کے بعد ۱۶۹۸ء میں یہ قلعہ فتح ہوا۔ اس طرح جنوب کا تمام علاقہ راس کماری تک مغلیہ سلطنت کے زیر اثر آگیا۔ یہ قصیدہ ریختی میں ہے۔ اور اس میں ابتدا سے آخر تک زنانی لب و لہجہ اور گھریلو ماحول کا اہتمام روا رکھا گیا ہے۔ نواب میدان جنگ سے کامیاب و کامران واپس آرہا ہے اس کی آمد کی خبر سے محل میں شادیانے بجنے لگے ہیں۔

کوئی چنگ رباب ہت میں لیتے کوئی دو تارا ⁂ انپیاں، طنبورے، جنتر، دف، ڈھول، تال منڈل

کوئی گیس کلیان کا گانا کوئی کانڑا کدارا ⁂ سارنگ کوئی کاو کوئی پوربی یمن کوئی

محل میں ہر طرف چہل پہل ہے، آرائش و زیبائش کی جارہی ہے۔ بیگم نواب کے آنے کی خوشی میں نہا دھو کر سولہ سنگھار میں مصروف ہے۔

کوئی سر مجے نہلاتے حمام کرہ دہ بارا ⁂ کوئی تن کوں لاتیں چکسا، اکل سو کھال سر میں

عود سوز کوئی لیا کر دیں عود دسا کا لکارا ⁂ کوئی بال پونچھتے ہیں، کوئی لیا اگر جلاتے

اس قصیدہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ذوالفقار خاں سے

ع۱ کتب خانہ سالار جنگ کی قلمی کتاب (مخطوطہ ۱۱۲) "دیوان ہاشمی" میں قصیدہ ۶۰ اشعار پر مشتمل ہے جب کہ اسی کتب خانہ کی ایک اور بیاض (مخطوطہ ۱۶۸) میں اس قصیدہ کے ۵۵ اشعار موجود ہیں اور اورینٹل مینسکرپٹ لائبریری کے قلمی دیوان (۱۹۹۹ جدید) میں بھی یہ قصیدہ ۵۵ اشعار پر مشتمل ہے کتب خانہ سالار جنگ کے نسخے (مخطوطہ ۱۱۲) میں درج ذیل اشعار زاید ہیں۔

رامبیا ترے ڈروں سوں کرتا پھرے پکارا ⁂ کرناٹک میں سو یک دن یکدن رہتا جینجی میں

اکھروٹ زعفران، مشک، بادام سکا لوہارا ⁂ کئی کئی جنس کے کھانے اب کھاد با مصالحے

(باقی صفحہ ۱۲۶ پر)

خوف زدہ ہو کر انگریز، ولندیزی اور دوسری اقوام، جو اس وقت ہندوستان میں تجارت کر رہی تھیں، تحفے و تحائف بھیجا کرتی تھیں،

انگریز ہور ولندی تیرے ڈروں فرنگی ؛ سوغات بھیجتے ہیں یہود ہور نصارا

پیش نظر قصیدہ میں نواب، بیگم اور شاعر تین الگ الگ کرداروں کے طور پر پیش کیے گئے ہیں۔ شاعر اپنا مدعا اس طرح بیان کرتا ہے۔

یک گاؤں ہاشمی کوں جن کر بکسیا دینا ؛ مشغول ہو دعا میں جو دھر رہے کنارا

ایسے سخن او پر تے ہاتی دنیا عجب کیا ؛ نیار کر رکھیا ہے کل پر سوں سیں کنھارا

بیگم اس کی یوں سفارش کرتی ہے ۔

میں بھی تو جانتی ہوں ہے وو ہی کے لائق ؛ دنیا ضرور اس کوں پڑتا ہے جس تمارا

کس پاس جائنگے گا ہاتی سو کو اُنے اب ؛ جگ میں تمہیں کیے ہیں خیرات کا ابھارا

قصیدہ کے آخر میں شاعر نے اس طرح دعا دی ہے۔

دنیا کے دھن سوں تو لگ کرتا رہے عیش و عشرت ؛ سورج چندر رہے جو لگ آسمان پر ستارا

اس قصیدہ میں درج ذیل تاریخی شخصیتوں اور مقاموں کے نام محفوظ ہو گئے ہیں

شخصیتیں :

ذوالفقار خاں (عالمگیر کا صوبہ دار ۱۶۹۲ تا ۱۷۰۶ء)۔ دھنا سنتا (دھناجی اور سنتاجی امتوفی ۱۱۰۹ھ) شیواجی کے پوتے راجہ رام کے سردار تھے۔ رام چندر۔ رامیا (مرہٹہ یعنی راجہ رام متوفی ۱۷۰۰ء) شنکر (؟) چندن مدن (؟) شاہ جی۔ سکندر، نوشیروان۔ حاتم

کوئی بات لا دھلاوے افتابہ بے جرأت کا ؛ لیا کر انگے رکھے کوئی پیکوان ہے سو سارا

ایسا سگھڑ چھبیلا وو ذوالفقار خاں پر ؛ خرچے کندوری خوش ہو آدیو میں رسو سارا

گریاں کیاں سوپیڑیاں کئی نقش سوں بنا دے ؛ تنبول دان انگے دھر یہو ماں سوں بے پیارا

مقامات :

ارکاٹ ۔ سدم کی گھاٹی ۔ کرناٹک ۔ چنجی ۔ رامیسر (رامیشورم) لنکا کا کوٹ ۔ پنالا ۔
برہان پور ۔ بریلی ۔ چنچاور ۔ مدنا ۔ ایلور ۔ ارتی ۔ روم ۔ ایران و توران

ہاشمی کا دوسرا قصیدہ ۲۳۴ اشعار پر مشتمل ایک معرکۃ الآرا تخلیق ہے لیکن یہ قصیدہ صرف ایک ہی قلمی بیاض میں آیا ہے[1] "دیوان ہاشمی کے دونوں مخطوطوں میں یہ قصیدہ موجود نہیں ہے۔ چوں کہ یہ قصیدہ صرف ایک ہی مخطوطہ میں نقل ہوا ہے، جس کا کاتب انتہائی بدخط اور غلط نویس ہے اس لئے اس کے بعض اشعار کھل نہیں سکے۔ ایسے مقامات پر سوالیہ علامت (؟) لگائی گئی ہے۔ اس قصیدہ میں ہاشمی نے اشعار کی تعداد ۲۴۶ بتائی ہے ۔

بیتاں سو یک صد چہل شش بولیا ہوں تیرے حق منے ؛ میر اتھے جو تیغ کچھ دسریاں کے دیتے تھے اپار

اس قصیدہ میں نواب ذوالفقار خاں کی شجاعت، بہادری اور عدل و سخاوت کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

لڑتا لڑاتا جگ میں ہور، دیتا دلاتا جگ کے تئیں
آیا ہے تو تیرے اوپر سب بادشاہی کا مدار
پڑتی ہے روم میں کھلبلی سارا حبش ہوئے ہلی اوپر
کل دل عجم میں ہوئے تب جب تو ہتی پر ہوئے سوار
توں پاک نیت ہے لگروہشت کے تیرے پاوں سوں
خاشاک نمنے اڑ گیا دشمن اتھا جو نابکار
حضرت علیؓ کے صدقے توں احساں کیا عالم اوپر
شدت کا ماریا اژدہا ہونڈ کر سٹیا فتنے کا غار
تیرے عدل کے دھاک سوں یک ٹھار آتش آب ہے

---

[1] کتب خانہ سالار جنگ بیاض ۱۶۸ (کلیات و دواوین)

بادر نہیں تو دیکھنا ہر مرد کے ہت میں ہتیار
خوہور پچر سب چھوڑ کر او نٹاں ہتے بچے دور میں
باندھے ہیں اپنے دار پر دھوبی سنارے ہور کمار
بے خرچ کوئی بی ناتواں تجہ دور میں دستا نہیں
اے سن سچی تجہ دور میں گھر گھر سنے کا ہے ڈھگار

ایک شعر میں وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں اجمالی طور پر تیری تعریف کرنے بیٹھ جاؤں تو اس کے لئے کئی ہزار ضخیم کتابیں لکھنی پڑیں گی۔

تیریاں بڑایاں سربسر کوئی مختصر بولے اگر
ہوئیں گیاں مثل ساریاں جس کیاں کتاباں کئی ہزار

بعض مقامات پر رزمیہ شاعری کے بڑے دلچسپ نمونے اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سماں بندھ جاتا ہے۔ قلعہ چینجی کی فتح کے موقع پر میدان جنگ کی تصویر کشی میں ہاشمی کا تخیلہ قابل داد ہے۔ شوکت لفظی اور لفظوں کی گھن گرج ملاحظہ کیجئے۔

یوں توں لڑایاں کئی لڑیا میں مختصر بولوں برے
تھوڑیاں سوں کیوں پایا فتح یعنی چینجی کے گرد تلار
تیج دل فلک بجلیاں گھر ڈگ بادل زرہ پوشاں کے کٹ
نکلیاں کماناں رنگ برنگ تیراں سرک بہے مینو کی دھار
کڑکڑ دشتر نالاں چھوٹیاں توپاں دھڑا دھڑ انگنت
چھوٹے سترا شربان ہو تیراں شپاشپ بے شمار
سانگاں چھناچھن تیغ کا ٹھنکا کھناکھن ہور رہو ا!
لاگے کھچا کھچ وار ہو دھر دھر لگے ہے لھو کی دھار
ہاتی دناد ن کئی پڑے گھوڑے دھادھپ جنگ منے
اے سور تیرے وارسوں گر گئے پٹاپٹ کئی سوار!!

کبھی کبھی مرا ٹھی بولتے لئی لئی سپاہی کی تیرے
ہاں مارنا' ہاں مارنا توں یوں کتا تھا بار بار
تیری کماں ہور تیر کی کاں لگ صفت یو بولنا
مستک میں لاگے تیر جو ہاتی کے ہوئے ڈھونپرتے پار
تیرے کھرے کے وار سوں ہاتی دو دھڑ ہوتے ہیں لئی
پاکھر زرہ سوں سوار اوپر یک وار سوں ٹکڑے ہو چار

توں وار نیں مار یا تلک دہشت سوں تیرے ضرب کی
دشمن کی یوں چھاتی پھٹے جوں' باغ میں ترڑتے انار
ہر ٹھار ہر یک جنگ منے توں بے عدد مار یا غنیم
باور نہیں تو دیکھنا لاشوں کے اجنوں ہیں ڈھگار
دل میں غنیم کے گھٹ ہا ہے یوں توں جیو بن سن مار کے گا
اپنا اپیں پینا کفن گھر ہیچ کھودیا ہے مزار
تیرے غنیم کے جورواں مرداں کو مارے گا کر
پل پل کوں بنگڑیاں پین یس کسوت کر دورکے سنگار
دہشت سوں تیری سٹ پٹا سرکش کلاتے جورواں
سر پر تے اوڑیں اوڑنیاں گھر میں پھیں بنگڑیاں اوتار
اس باگ کے پنجے بلی کیوں بھاک با نجھے گی ہمیں
تیرے غنیم کی جورواں مردوں سوں یوں کرتیاں بچار
راجے بچے کرما کی دہشت سوں تیری گرلا بڑا !
عاجز ہوا بیٹیاں دختراں تجھے میں بھیجے تجھ سنوار

ہاشمی اس قصیدہ میں یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کوئی شاعر صرف پانچ اشعار کی غزل بھی تیرے (نواب ذوالفقار خاں کے) سامنے پیش کرے تو تیرے دربار سے اسے کئی گاؤں اور ہاتھیوں سے سرفراز کیا جاتا ہے میں نے تیری تعریف میں ۱۰۱ اشعار کا قصیدہ کہا ہے اور اس کے بدلے میں میں روپے پیسے کے علاوہ کئی گاؤں اور ہاتھی بھی لوں گا۔ یہی سوچ کر میں برہان پور سے ارکاٹ تک آیا ہوں اتنا لمبا سفر کرنے کے لئے میرے ہاں پیسا نہیں تھا اسی لئے میں نوسو روپے کا مقروض ہو گیا ہوں۔

کوئی پانچ بیتوں کی غزل لیا کر جو گزرانے تجھے
گانوں سو کئی ہاتی اسے دیتا ہے ہراں کے انبار
ہاتی روپے کے ہودے سوں کئی گاؤں لکھ کر لیوں گا
آیا ہوں برہان پور تے یوں دل میں اپنے کر قرار
پیسا نہ تھا میرے کنے اس ملک تے اس ملک کوں
آیا ہوں تیرے پاس میں نوسو روپیا کر ادھار

اس قصیدہ میں ہاشمی یہ بھی کہتا ہے کہ میں دونوں آنکھوں سے معذور ہوں اس لیے میں نے تعلیم بھی حاصل نہیں کی اور ایک ان پڑھ بھلا کس طرح پختہ لطیف و نازک شعر کہہ سکتا ہے۔ اے سورج تو میری خطاؤں پر نظر نہ کر بلکہ اس ذرہ کو اپنی روشنی سے دنیا میں مشہور کر دے۔

اس قصیدے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمی کے گھر میں زن و مرد چھوٹے بڑے ایک سو چار آدمی اس کے زیر پرورش ہیں۔ اس کے گھر میں گھوڑے، اونٹ اور دو گاڑیاں بھی ہیں۔

دونوں انکھیاں معذور ہوں تس پر پڑیا نہیں یک حرف
کیوں شعر بولوں بولنا پختہ سو پاکیزہ ہموار!!
میری خطا پر کا ہے کوں اے سور تو رکھتا نظر
ذرے کے تیں خورشید کر مشہور جگ میں ٹھار ٹھار

جس کا نیر انجن لگا صنعت کا پایا گنج میں
تو یوں تو نگر ہور ہیا اس دور کے عالم منجھار
تجہ جیسے پرس کوں دیکھ کر مجہ کن عزیز لگی آ ملے
زان مرد بزرگ و خورد ۱۲ سو کے اوپر ادمی ہیں چار
پھرتا ہوں تیرا جس کا زنجیر سوں مجہ رستا لگیا
گھوڑے ہیں ہور اونٹ دو گاڑیاں ہیں لٹکے منجھار



قصیدہ سرس بائے ہاشمی

آتے لگر سنگاتی عالم کتا ہے سارا — انکھیاں مریاں پھر کتیاں سیج پچھے آنہارا

انکھیاں بھی لب سنوں بانہہ کچھ مانڈی پھر ملسا کر کی — آتی کتا ہوی مجہ ہنوز نہیں پتیارا

پھولیں کوں آب دے کوئی کرتے درستہ چمناں — کوئی کار بچے بھراتے لاتے ہیں کوئی چھنوارا

بکلے ہے یو بچے جو سی آتا ہے گھر کا خاوند — بچھتاں سوں بچھونے کے جھلکا ہے بھی ستارا

بنگریاں لے سنگار بیٹھے ہیں گھر میں کوسوں — چھندیاں کئی رنگ رنگ نیلیاں ہار لگارا

آتے لگر سنگاتی عطار لیاے خوشبو — آیا ہے دیوڑھی پر پھول لیکو ہر پھولارا

کوئی تن کوں لا بیں چکسا انگل سو نگال شہر میں — کوئی سر بچے نہلاتے حمام کر دوبارا

کوئی بال پوچھتے ہیں کوئی لیا اگر جلاتے — عود سوز کوئی لیا کر دیں عود کا جھکارا

کوئی آبچے سنوارے کپڑے پنیا ہے زیور — کوئی جھاڑتے بچھانے بیٹھے ہیں کوئی ڈولارا

شیشے گلاب کے کوئی کوئی ارگجے کے کانسے — بیٹھے ہیں ہاٹ پر کوئی خوشبوئی کا دھکارا

اپیاں طنبور بجتر دف ڈھول تال سندل — کوئی جنگ رباب ہت میں لیتے ہیں کوئی دوتارا

سارنگ کوئی گادے کوئی پوربی بین کوئی — کوئی گیس کلیاں گاتا کوئی کا تترا کدارا

میں کھانٹ گھونٹ لیس بیٹھی تو کیا عجب ہے — کئی کئی روشن کیاں ہیں ہر دھن بدن جھکارا

پچھل کہ... میں پھولا ہو بیٹھی پھولے میں پچھل کھڑکے — پیو آئینگے خوشی سوں آیا میع کا بارا

کوئی جابسر ہی خانے اہل بل سمل کر شتابی — فرماے ہیں پکانے کھانا میٹھا ہور کھارا

ہر دھن مدن کا دل لے کچھ زری بکتر — پنشواز پہین ٹھارے انچل کا لال پھرارا

کیں ذوالفقار خاں نے گھاٹی سدم کی اتریا ارکاٹ میں گھرے گھر کل سوا ہے یو پکارا
نواب آئے لڑ کے تب مینخ لگے گا پیچ پیچ جھانگر بجیں جھناجھن دھوں دھوں بجے نقارا
کئیں سب نے اس نہیں کوں ہنوز سیج نیں لگنا دیکھو تجے پوچھ کر ڈنکا دہل دھلارا
نواب چاند سا مک دکھلا سنگے تو دیکھوں سنکہ سکا پڑیگا چندنا دو کہہ کا ہو دور اندھارا
باقی اپر فلک سے خورشید سا دسے تو صدقہ نواب پر تے جیو دیوں گی اوتارا
دل میں تو پیار یوں ہے ظاہر میں ٹک کنگٹ کر لاجوں گی تو نزدیک آ بیٹھے گا جب پیارا
ٹک رہوں گی دھر ابھلا سنتاں کرے تو کوں گی آپیں گیے سو گیے ہور دل لے ملے گئے ہمارا
ہفتے کا ناؤں لے کر تین ہفتے جا کے اٹکے اقرار ہور وعدہ معلوم ہوا تمہارا
سچ بھی تو دوی دیکھو کیا دل بڑا کیے تھے یو یو تو سچ کتی تھی کیا مرد کا پتیارا
لیکر یتیم کا ناؤں جب سٹ کے گیے مجے ماں میں جانتی ہوں تمنا بھی کینچھ تھا نظارہ
میں واری گی خدا پر بھی رک قدم دکھایا تنک سٹ کے یو پنچ کوں کی جو تو بھی ہے آشکارا
کوئی شوخ یا شرم کی ادڑی یو لاج سٹ دے گھلکی کروں گی سب نیں ہوئے لگے کا بارا
اب کیں چلیں گے کہے تو نا جانے ٹھگے کوں گی تجے سے بہادر آنگے سنتا ہے کیا بچارا
حمناں کوں یہاں پوسٹ کر جانے کا کیں سبب ہے میں جانتی ہوں یوں کر بھانا یو ہے تمارا
تیرے ڈروں طول ہور امیانیں تا پچنے سکا چونگی کے تس پہ کھانے چارا ہے تب نچارا
رامیا سو رام چندر شنکر دھنا سنتا کوں اتنیا کوں لینے لبو ہے بج دل کا ایک پنڈارا
کیوں کر غنیم ٹکے گا دھوں دھوں جو ہوئے ڈنکا یوں بھوں بھنگے کرناں توں توں بجے تو بارا
تو یاں تجیں دھڑا دھڑ باناں اڈیں تڑا تڑ یکدھر تے ہوئے تپا تپ بیحد تیر وکا بارا
کھڑ کھاں بجیں کھنا کھن سا نگا جھنا جھن سناسن واراں لگیں کھپا کھپ ہاں ہاں کا ہو ہنکارا
ہوں مار تا سو تو کسی ہاں ہاں سو توج لوے ہر تن کوں لگی کمک ہے ہونگا تیری ہو نکارا
تیرے غنم کے لہو سوں جمل ہٹے ہیں گو یا تو سرخ ہو رہیا ہے ہر ساد کا کٹارا
مارڈالا غنم کے دل ہو جگر پکا دے کرتے ہیں لی لی پکواں نجہ دل کا ہر پہارا

دشمن کوں مار جاں تھاں لھو کا چتر جھڑنے | تجہ تیغ کے قلم سوں لکھیا ہے جیتنا را

خوص غنم کے دل کا جل کر کیا ہوا سا | بھی جال کر ہے تا تجہ تیغ کا انگارا

رامیا دھناسنت اکوں لیا بنہ پکر ٹیدے کر | خاصا سو یک مبارک رکہ نادی یک بسیارا

کرناٹک میں سو یک دن یکدن رہتا چینجی میں | رامیا تیرے ڈروں سوں کرتا پھرے پکارا

انگریز ہور ولندی تیرے ڈروں فرنگی | سو نمات بیچے ہیں یہود ہور نصارا

کیا بات رامیسر کی لنکا کا کوٹ لے گا | تیروں کا بیت بن کر تجہ دل کا یک لونگارا

تجہ سا وزیر قابل دھرتا اگر سکندر | کئی ٹھار سد بندھتا تا پر تھم ہیوں ایک منارا

چھپدار ایک بھیجو کھلتا جو چاپنا لایا | لے کر پیر یلی پل میں چیندن مدن ستارا

یاں تیج داب دب کر گڑ کا کوٹ لیو چھین چھین | عالم کوں ڈر ہوا ہے نواب چلیا ضرارا

جاتے ہیں کی تمیں چیپ ٹوا چھڑے دو بھیجو | لیں لگے سو چاپنجی ور شاہ جی ہے کیا بچارا

اتناج میں کئی ہوں چینجی جو بات آوے | جیوں تیوں بھی لیو چینجا ور توڑو غنم کا ٹھارا

جو تو بھی دوڑ ناکیا ملک ہیں تمیں رہیں | اہیں تو میں کئی ہوں سکے چین ہوے ہمارا

جو دل میں لیا وینگے تو ہو ویگا کام سرود | حامی نبی علی ہیں یاور امام بارا

ایسے سخن اپر تے ہاتی دنیا عجب کیا | نیار کر رکھیا ہے کل برسوں سیں کنبھارا

میں بھی تو جانتی ہوں وو ہے ہتی کے لایق | دنیا ضرور اس کوں پڑتا ہے جس تمارا

کس پاس جانگے گا ہاتی سو کوانے اب | جگ میں تمیں کیے ہیں خیرات کا اجارا

کئی کئی جنس کے کھانے اب کھاوبا مصالہ | اکھروٹ زعفران مشک بادام کا سو مارا

کوئی بات لادھلا سے افتابہ لے جرات کا | لیا کر انگے رکھے کوئی پکوان ہے سو سارا

ایسا سکھر بچھلا دو ذوالفقار خاں پر | غرچے کند وری خوش ہوا دیویں زر سو سارا

گر پان کیاں سو بیڑیاں کی نقش سوں بنا دے | تنبول دان انگے دہر ہو مان سوں بے بیارا

ایسیچ تمیں دلانا دو جگ میں فائدہ ہے | منصب کے باغ کے تیس دن دن ہو ویں بہارا

دنیا کے دھن سوں تو لگ کرتا رہے عیش و عشرت
سورج چند ہے جو لگ آسمان یہ سنارا
یک گاؤں ہاشمی کوں چن کر سرس سا دینا
مشغول ہو دعا میں جو دھر رہے کنارا

(۲)

قصیدۂ ذوالفقار خاں

ہر یک ہنر کے من منے فاضل ہے معبر کوئی نام دار
جس کے کدن تے جگ منے پکڑیا ہے عزت ہر ہنیار
دائم خدا کا ہے کرم حامی ہیں پنجتن پاک نت
اے نامور تو ہے ولی یاور تجے ہے آٹھ پار!
اے نامور نواب سن شکرے نے تیرے تیر کے
کیا خوب جھپٹیا توڑ کر اسلام کر کوں آشکار
یا دین ماریا رزم کے آہو غنیم کی فوج کا
گنج کا ڈاٹی فوج ہو سبی ظفر تما تر کے سکار ؟
حضرت علی کے صدق سوں کئی کافراں ماریا ہے توں
تو بادشاہ کیس خان ہے سچلا بہادر ذوالفقار
تجہ سا وزیر حکمت میں کوئی اچھتا سکندر پاس جو
ظلمات میں جانے نہ دے امرت منگاتا بیٹھے ٹھار
تھوڑے سپہ لوگاں سات لے ویسے قلعہ توڑیا ہے توں
دریا سے گھاٹ ہے جسے کوہ کاف ۲؎ سا اونچا حصار

۱؎ نہیں کھل سکا ۲؎ قاف

اسمان سے توں گرٹ لیا' بادل سے اوکوٹاں اوپنچے
جس کا خندق ڈو نگائی کوں تحت الثریٰ[۱] تے ہے غدار
لنکا سے کئی کوٹاں لیا راون سے کئی مار یا غنم
جینجی تو کیا ہے تجہ انگے کیدے یوراسیا ہر زکار
مدار' چینجاور ہور جینجی' ایلور' ارتے سات گرٹ
لیں گے تمارے یے ڈرے پکے تیں لعیاان میں او بار
اچپیا او بھیڑیا ڈرسوں تجہ کی سات گرٹ کوں بھاگ کر
سنتاستیارے کوں گیا راسیا رہیا ہے' موں پیار
چینجی کے تیں تہر توڑ کر کھیلنا ستیارا رنگیا!
تیرے لونگارے لیں گے جو جائیں گے کرنے لونگار؟
ملنار' مدرا بند کر رانی لے تریا راج کی
بھوتی یک کا کستوری رکس نانوں یک کا زر نگار
یں ایک سراتا نیں تجے' عالم کتا یکبار گی
داتا ہا' دلاور ہا' راکی رن کیا مرد ہے عالی وقار
جو کچھ لچھن سردار میں ہونا سو تج میں پور ہے
یں یک کنے کا کیا عجب' عالم کتا ہے یوں پکار
تازی کوں تیرے بخت کے دشمن کے طالع کا طلوع
دیکھا سو چھاڑیا اور اڑیا خاوند کوں پاڑیا' ترار[۲]
طالع کے تیرے سرو کوں دیکھے سدا نت سر بسر
یوں رشک کی اگ سوں عدو جلتا ہے جوں جلتا چنار
لڑتا' لڑاتا جگ میں ہور' دیتا' دلاتا جگ کے تیئں
آیا ہے تو تیرے اوپر سب بادشاہی کا قرار

---

۱ تحت الثریٰ ۲ مخطوطہ میں یہ مصرعہ اس طرح ہے ع دیکھیا سو چھاڑیا اور اڑیا خاوند کوں پاڑیا ہے ترار

تیر انتشر ہو تیکا کیا اس ہند کے لوگاں ہتے
دانا دلاور ہے لگر شہرت ہے ہر دریا کے پار
دانا پنا مردانگی دیکھت تر دو رائے برج
دالیا ہے تو تیرے اوپر سارا زمانہ اختیار
ڈنکے کے دھونکے سوں تیرے صدرا ھیں ہیچ کئی ملک
کھل بل تلے کا ھوے اوپر عالم تلے کا ہوے نثار
تھیاں ہو رواں جو پیٹ سوں بیٹیاں پڑے کی کھلبلا
دشمن کے دل پر رفع کر جو تھو تکتا تھا توں کھنکار
پڑتی ہے روم میں کھلبلی سارا حبش ہوے تل اوپر
کل دل عجم میں ہوے تب جب تو ہتی پر ہوے سوار
توں یاں بہادر ہے لگر ہندیاں سوں لانا خوب تیغ
بھیجے آغا کوں آپنے لکھیوں روم کا واقع نگار[۱]
ہو تیغ سنگین ہے پاوں کا اب ہات کیں لے جلد توں؟
ثابت نظر عاقل سخی ہر قاعدے میں استوار
ہے بادشاہ کا نیک خواہ خادم فقیروں کا ہے توں
کئی ناتواں نردھار کا واقی تجھے کہتا آدھار
توں پاک نیت ہے لگر دہشت کے تیرے پاوں سوں
خاشاک نمنے اڑگیا دشمن اتھا جو نابکار
خورشید کے گھر سان پر لی بار بکڑیں ہیں لگر
توں یوں ہوے ہیں تیز تر شمشیر ہور تیری کٹار
رکھنے کوں تیرے تیر سب دشمن کا تن ترکش ہوا
حاسد حسد سوں ہو بنگا نیوڑ یا کی تکالے قرار[۲]

---

[۱] واقعہ نگار
[۲] واقعی ۲۳ نہیں کھل سکا

حضرت علی کے صدقے توں احساں کیا عالم اوپر
شدت کا ماریا اژدہا مونڈ کر بیٹھا فتنے کا غار
تاثیر تیرے لون کوں ایسی دیا ہے آج حق
لاکھاں غنیم گر ہوئیں تو بھاری تیرا ہے یک سوار
لشکر کوں دیکر تصدیق کی چپ غنیم پر بھیجنا[۱]
یعنے غنیم کے کوٹ گڑ لیں ہے تیرا ایک چوبدار
چوبدار بلکہ کا ٹھیکوں حیران کرنا دھوپ میں
تیرے حمایت سوں اپس گڑھا کوٹ آویں گے ایار
دانکیا زیوں سبا تیھج کرا دیتجہ جا انبٹے تلک[۲]
ہے دین محمد کا سچا کہیں گے فرنگی یوں پکار !
لاکھاں غنیم کوں مار کر گڑھا کوٹ کئی لیگا رگڑ !
ہو سور تیرے فیض سوں لشکر کا تیرے ہر سوار
اس دل کے بیچ پایدل لاکھاں غنیم کوں ماریگا
تیرے نمک کے جوش سوں یک گا دھکا یک ایار
سو توپ کر بکرور میں گڑھا کوٹ لے لیگا اوٹھا
ایسا ہنروند ہے تیرا ہر توپ خانے کا لھوار
لشکر تیرا کی میں لکھوں اقبال جس ہو کر آگے
یعنے غنیم کے کوٹ گڑ یک پل بھی نیں لاتے ہیں لاڑ
ہر حریب کے بازار میں جو کس کرا ایک ہو کو توں
جس کا متاع یعنی بدل خیرات کا دلوے ایثار
میدان کی تختی اوپر ہے تر دد کے اچپا !
توں نیو جینیا رزم کی تیرے غنیم کی ہوئی ہے ہار

[۱، ۲] نہیں پڑھا جا سکا

تیریاں بڑایاں سر بسر کوئی مختصر بولے اگر !
ہوئینگیاں مطول سار کیاں جیسیاں کتاباں کئی ہزار
سر تلے تے لیکر ورق پڑتا ہوں یک جیو رک سند
پڑنے سکت کس میں ہے سب تجہ فتح کا لیکر طومار
یوں توں لڑایاں کئی لڑیا میں مختصر بولوں یرے
تھوڑیاں سوں کیوں پایا فتح یعنی پہنچی کے گرٹ تلار
تج دل فلک بجلیاں کھڑک بادل زرہ پوشاں کے کٹ
نکلیاں کماناں رنگ برنگ تیراں سرک ہے مینہوں کی دھار
ہر یک نگہ تے تجہ ہتی باناں سو مینہوں کیا سروراں
گولے سو مینہوں کا بوند ہے گولا زنبور کا ہے گار
توپاں گرجیاں رعد ہو لاگے پچھوڑ باریکی جہر
ہے رت برشگالی کا کرگا دں تیکر گا دیں ملار
کڑکڑ شتر نالاں چھوٹیاں توپاں دھڑادھڑ اگنت
چھوٹے شرا شرباں ہور تیراں شپاشپ بے شمار
سانگاں چھناچھن تیغ کا ٹھنکا کھناکھن ہور رہوا
لاگے کھچاکھچ وار ہور دھڑ دھڑ لگے ہے لہو کی دھار
ہاتی دناؔدن کئی پڑے گھوڑے دھپادھپ جنگ منے
اسوار تیکر وار سوں گر گئے پٹاپٹ کئی سوار
کلکھی کلکھی مہراتی بولتے بی بی سپاہی کئی تہیر کے
ہاں مار نا ہاں مار نا توں یوں کتا تھا یار بار
تیری کمان ہور تیر کی سکاں لگ صفت بولنا
مستک میں لگے تیر جو ہاتی کے ہوئے ڈھونپر سو پار

ہاتیاں پو سینیتا کر کہ کچ ڈونگر نہالاں کے دسیں
دشمن کے لوتھاں تیر کر دستے ہیں چھوڑیاں ہمار زاد
یوں کچ پوسنیتا کر دسیں جو گرڑ لو چالیاں بالس کیاں
جا تاں تربب سوں یوں دسیں جوں ریتخ ہے جالی منجہاں
ہاتھاں پوسنیتا تیر کر یوں حال دشمن کا دسے
لا یا لکرڑ ہارے تے جیبوں کھو لگے اوپر لکرڑیاں کا بھار
قلیا جگر خشکہ دہن دشمن کے بھیجے کے گشکہ ؟
صفحے پہ رنگیں رات دن تیر لہو کی لکھی ہے عار
مے نوش تیری تیغ بیاں دشمن کا خوں مے تاب کر
پی کر ہوا ہے مست لکی بیٹھا ہے پینے کوں ہشیار
نمن پن سوں تیرا کھیل یہ جالے لپیٹ ہر باگ کے
دشمن کے سر کا کر لہو پھیریا کرے برچھی کی آر
خورشید ہر شمشیر کا ہر سر لہو دیکھیا سو غنم !!
یارب نہ نفسی لو لیا او وقت تھا محشر کے سار
تیر لہو کے وار سوں ہاتی دو دھر ہوتے میں لی
پاکھر زرہ سوں سوار اوپر یک وار سوں ٹکڑے ہوں چار
کیوں نا غنم کا ہوے شکست اسرار اوس گھوڑے کا جیو
جا دسے نکل اپ دھاک سوں توں نیں سٹیا لگے جو وار
توں وار نیں مارا تلک دہشت سوں تیرے ضرب کی
دشمن کی یوں چھاتی پھٹے جو باغ میں ترٹے انار
یوں بھر میں توں کھندلائے نت ہاتیاں کے پاواں کے تلے
دشمن کے تن کی نیشکر جوں تھل میں لگتا ہے کولار

سر چینڈ گیاں سوں یوں لڑتیں دنشیاں سوں جیا تو خربوز
آلے سیر پانی لہو ہر بیل یعنے ہوئی تر تازہ !!
دشمن کے سر کے تربوزاں دارم دسن بادام جیک
ہر جنگ ایکا دیس کر شکایت تیرے کر تے پھلار
پانی غنم کے کھوکا بھر لوٹھاں کے باتو یا پال کچ ؟
اتیے تو کئی تج دور میں حوضاں ہیں رنگیں ٹھار ٹھار
یا لو غنم کے لہو میں بھگ یاقوت کے ریزے دسیں
گاراں ہو تیاں تھیاں لال سب دستے نہ تھے ابلیح گار
دشمن کے موں کی دیگ میں یعنی برنج دانتوں کے کر
کھا دیں پکا کر جو گینا ہو کیچہ روغن سوں بگھار
ہر ٹھار ہر یک جنگ منے توں بے عدد ماریا غنم
یادر تھیں آمد دیکھنا لاشوں کے اجنو جیں ڈھکار
تن سن غنم کی فوج کا یکدم جلا کیتا بھسم !
رہیے عدو کے جالے گھر جونگی کا ہے پورا انگار
دل میں غنم کے گھٹ ہے یوں توں جیوں سن مارچ گا
اپنا اپیں پنیا کفن گھر بیچہ کھودیا ہے مزار !!
تیرے غم کے جوروا مرداں کو ماریگا کگر !
ہلہ پل کوں بنگڑیاں پایں لیں کسوٹے کر دہر سنگار
آنیکی تیری ہانک سن راتاں کوں کاڑیں جوروا
راجے جتے کچھ کریں تا کر خبو لو جیو کا بیار !!
دہشت سوں تیری سٹ پٹا سر سن کلا تے جوروا
سر پر تے اوڑنیاں اوڑنیاں گھر میں چھپیں بنگریاں اُتار

کئی سوں اوٹھاتے پیٹ مل اکر پوری پرسی نہ ہو
راجاں ستو کیھڑیاں ییں ربص نبیع کر لکڑیاں کا پھار
اس باگ کے پنجے بلی کیوں بھاگے باپچے کی ہمیں
تیرے غم کے جوڑاں مردوں سوں یوں کرتیاں پچار
بھاڑاں لے بھاری بھاگیتاں بھاری غم تب سٹ ٹا
دیری کے تنک سا بھا رہوی توں جب اپسکا لیکو بھار
کئی گرہتی سرکش جو تھے دیبیاں کوں پکڑیا ہور لیا
توں سب پچھوڑیاں دھن ہور آبرو ڈالیا ہتار
راجے جیتے کر ناٹکی دہشت سوں تیری گرٹ بڑا !
عاجز ہو اپنیاں دختراں تجھے یں بھیجے تجہ سنوار
دیتے مراٹھے تیلنگے دنڈورے کیتے کنھڑے سرن
جب جانگڑے رجپوت تجے ڈرکر کیتے تھوڑی پچھاڑ
سرلشکری لشکر کوں سٹ دشمن کے پس لیش بھاگتے
یک لشکری لشکر کا تجہ جو ہوے ٹک لشکر تے بھار
چھونکا تیر باد سموم ہو کر کیا سر پہ ستہ چھڑی ؟
گلشن غنم کے آس کا تو ہو رہیا ہے خوارزار
تندرست تیرا دیکھ کر دل میں حسد کی ہول اوٹھ
رامیا کے تن پر ہوی کھرج ہور رشک کے لہو کا لکار
دشمن کوں تیری دھاک سوں تھنڈ باٹی کا آزار ہے
کی نیند تیسراں سٹیا جرنگی کے تیری ہوئی پار
کیس روگ دہشت کا ہوا دشمن اپنا نا بانج سے
تس کپیڑی تیری سونت دھوں دھوں نقارے کا نقار

تیرے کر عدل گے دھاک سوں سیکھیا آتش آب ہے
باد ر نہیں تو دیکھتا ہر مرد کے ہت ہیں ہتیار !
کتوال تیری عدل میں توں شہر واں تے ہے ارک
توں ہے مصر سوں آج کل معمور اور لوکا بزار
عادل تجھے ہی جانگیا ایراں توراں کے کل سب ؟
جاگیر تجھے یا رب یو ہوئے یوں کر دعا ہے انتظار
تیرا فلک ہے بارگاہ رنگ ہر شفق تارے جرم
چند سور بادر سے دونو ہور کہکشاں سی ہے پنوار
کرناں کے تاراں رنگ کے کر شفق پاچن دھوپ کے
خورشید بن کر لائے تج جامے کوں تیرے جامہ دار
رنگ فلک کا ہر طبق تاریاں کے گوہر انگنت
کرنے کوں خوش ہر یک رین لیاتے ہیں تجکوں یادگار
اخلاق تیرا دیکھ کر ہر تن اٹکنا کیا عجب !
باندی ہو تیرے گھر منے اچپل چپل دنیا کی نار
دیکھلا شبیہ کرنے لگے وہاں کی ہتیاں کوں کرتے رد
تو یھاں تے لیکر تج شبیہ ہیں کیہ جتاریاں تے چتار ؟
دیکھ جشن تیرے عیش کے ہر شب اٹک کر ہر صبح
شبنم تھوے پڑتا سو یو موتی سو سٹتے وار وار
پریاں کتی ناچنگے انکے کیا اور سی کیا ہے رنبا
تلوے اور یسی ہیں ادک زہرا سو گاون ہر گار ؟
زن جھن لنگوں کے زنگ بجیس جھن جھن تنبورے باجتے
تن تن سو بجتے سر منڈل چھن چھن بجیں خبر کے تار

ہر خوش گذر یعنی نسیم گھر جلوہ گر گلشن ہے ہور
لوڑ ہر بھنور لینے کوں اس گل ہوئے ہے ہر یک گلعذار
سیس پھول سورج چاند سا ہار بے ثریا سے ہے
بھیجے بنا کر ہر محل آسمان تیرا ہو سنار
تیرا پھولارا ہو فلک گلشن تے شب کے لئے سہرا
تاریاں کے گل ستبل طرا ہو ید کہکشاں کا گند کو ہار
عنبر گلاب عطر مشک تو لگ ہوا ہے ہیند یہا !
تا تار سب یزداں ختن لیا ہے چن تیرا عطار
ہر کیس ڈالی سوں کمر کوئی بند کو آوے تو تریاں
یک پل بی بیٹھے ہوے لو خوشبوئی ۔ لوسوں لو بدار
سٹ سن پیل کا ناکہ اتگٹ ہو اکر سیم زر
کرتا ہے زر کر کا اودیم کمالت سوں تیرے ہر کسار
غر ہور غجر سب چھوڑ کر اوتاں ستے تجہ دور ہیں
یاند ہے ہیں اپنے دار پردھوبی سنارے ہور کمار
تیشہ لے کتیکر اہات ہیں کو کچھ بڑا ہی کوئی نوکری !
ایسا ہنروند آج ہر تجہ چوب خانے کا ستمار
تیرے حضور کوئی تربیت ہووے تو کیوں نا ہو سگھڑ
جیترا ہے اندر تے ادک جاگیر کا تیرے گنوار
باد خزاں کوں کیا سکت جو آسکے تجہ باغ میں
باسموم دیکھا چ تیں جاگیر کا تیرے ستوار
جاگیر کے جنگلوں میں تیرے جنگلی پھلاں سو یوں چھیں
انجیر انس آنب توت ناریل نارنگیاں انار !

کتی غمز دے آتجہ کنے سکر سوں تبسم ہور ہے
غمگین تو کوئی دستا نہیں تجہ دور میں اے شہسوار
توں کچھ بسر کر بات جو بولیا تو ہرگز نہیں پھریا
مشہور ہے عالم منے تیری گھٹائی اور قرار
بے خرچ کوئی بی ناتواں تجہ دور میں دستا بنیں
اے من سخی تجہ دور میں گھر گھر سنے کا ہے ڈھگار
حاتم سخی کے تیں سخی گنتی نیں اس تھے کوئی سخی
حاتم سخی سے کئی آتا بیٹھے ہیں منگتے تجہ دوار
حاتم نے تا حاصل ہے لکر کی ناتواں اس دور میں
توں ناتواناں کوں ہے پھر اونٹوں کی بخشا ہے قطار
تجہ سے بھنڈارے پاس آہ عالم بھنڈارے ہور بھنڈار
بھوکیاں کوں نعمت پیٹ بھر دیوے کھولے ننگیاں کوں توں
ہیا ما چیرا ہر زر کی گھٹ پٹکا سو مشہورعالم کی ایزار !
بھینساں بھی کوئی باتیا نہ یوں جوں تو دیا ہاتے ہتی
اے من سخی تیرے کنے بکرے تے کمتر ہے تکھار
کیا ہے برکت دینے کوں یک پل میں ہور روتے لک
جس کوں دیا ہے پیار سوں توں اپنے ہاتوں یک ہزار
تیرے ببرچی خانے کوں لنگر بھوکیاں کا جگ کہے
صدقے خلیل اللہ کے توں دائم کیا ہے صفر ایار
دیلو نل سکا ہوے شیکر تیری نظر کے فیض سوں
ڈورے اچک کے موز ہوتیں تیمکی تمو بہاں ہوئیں کنار
انار ہنر لکوں کرے نا بات کر دے لول کوں !

میٹھا ترا ہر بول سن ہوے شہد سوں میٹھا گنوار
کھا دیگا تیلک ہویگا توں ٹک نظر کر نیچ میں
تاراں سوں موتی سوئی کے ناکے لکر ہوسنگے تر تے تا
کئی مفلساں کوں ہات دھر اُمراو کیتا پل میں توں
پارس تجھے کہنا بھلا ہر مس کوں کرتا ہے بھنگار ؟
تو میں دھسی تیریاں دیا توں دادیک ہے کر کواب ؟
مجھ سے ہنر وند بہوت ہیں تجھ سے سخی کا ہے تھار !
جس کے تیرے صفت اور صنعت کی جیتی طعم ہیں ؟
میرا ہنر جوں اوس منے جنگلی پھلوں کا ہے اچار
دستا دِسن تیرے لگے ہیں شعر کیا میرا برڑدوں !
روشن شمع کیوں ہوے وہاں خورشید جاں ہے تابدار
میں کون میرا شعر کیا جس پر توں اپنے رکھ نظر
عزت بدھا توں جگ منے کرتا ووں میرا آشکار
دونوں انکھیاں معذور ہوں تس پر پڑیا تھیں یک حرف
کیوں شعر بولو بولنا ریختہ سو پاکیزہ ہموار !
میری خطا پر کا ہے کوں اے سور توں رکھتا نظر
ذرے کے تیں خورشید کر مشہور جگ میں ٹھار ٹھار
جس کا تیرا ایمن لگا صنعت کا پایا گنج میں !
تو یوں تونگر ہو رہیا اس دور کے عالم مجھار
کوئی پانچ بیتوں کی غزل لیا کر جو کر جو گزرانے تجھے
گانواں سو کئی ہاتی ادسے دیتا ہے ہیراں کے انبار

بیتیاں سو یکصد چہل شش بولیا ہوں تیرے حق منے
میرا تو ہے بھوتیج کچہ دسریاں کے دینے تے ایار
ہاتی روپیکی ہودے سوں کئی گاوں لکھہ کر یوں لگا
آیا ہوں پر ہانیور تے یوں دل میں اپنے کر قرار
لائق مراک بیل ہور دو تین روپیئے بھوت ہیں
توں اپنے لائق دے ہتی دینا روپیے دو ہزار !!
تجہ جیسے پرس کوں دیکھ کر مجہ کن عزیز لئی آملے
زن مرد بزرگ وخورد مل سو کے اوپر ادی ہیں چار
پھرتا ہوں تیرا جس لکر زنجیر سوں مجہ رہنا لگیا
گھوڑے ہیں ہور اونٹ دو گاڑیاں ہیں گھر کے مجار
پیمانہ تھا مبکر کنے اوس ملک تے اس ملک کوں
آیا ہوں تیکر پاس ہیں نو سو روپیا کرادھار

دکنی کے چند غیر مطبوعہ مرثیے

مرثیہ عربی زبان کے لفظ "رثی" سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں میت پر رونا اور آہ وزاری کرنا۔ اصطلاحِ شاعری میں مرثیہ ایک ایسی نظم کو کہتے ہیں، جو کسی کی وفات پر اظہارِ غم کے لیے کہی جائے اور اس میں مرنے والے کے اوصاف بیان کیے جائیں۔ موضوع کے اعتبار سے مرثیے کی صنف واقعاتِ کربلا سے مختص ہو گئی ہے لیکن اردو میں ایسے بھی متعدد مرثیے موجود ہیں جن میں واقعاتِ کربلا سے ہٹ کر، مختلف لوگوں کی وفات پر اظہارِ غم کیا گیا ہے۔

مرثیہ کا شمار اردو کی مقبول اصنافِ سخن میں ہوتا ہے۔ دیگر اصنافِ شاعری کی طرح مرثیہ پر بھی ابتدا ہی سے توجہ دی گئی ہے۔ قدیم دکنی کے کم و بیش تمام شاعروں نے مرثیے لکھے ہیں۔ اس سلسلے میں مرزا اور قادر کو خاص امتیاز حاصل ہے کیوں کہ ان شاعروں نے اسی صنفِ سخن میں اپنے کمالِ فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ مرزا اور قادر کے علاوہ دکنی کے دیگر ممتاز مرثیہ گو شاعروں میں محمد قلی، وجہی، غواصی، عبداللہ قطب شاہ، ملک خوشنود، نصرتی اور ہاشمی قابلِ ذکر ہیں۔

جہاں تک مرثیے کی ہیئت (Form) کا تعلق ہے، میر انیس، مرزا دبیر اور دوسرے ممتاز مرثیہ نگاروں نے مسدس کی ہیئت میں اپنے مرثیے پیش کیے ہیں، لیکن قدیم دکنی میں مرثیے، غزل، مثنوی اور ترکیب بند کی شکل میں بھی ملتے ہیں۔

دکنی مرثیے کی تحقیق و تدوین کے سلسلہ میں اب تک درج ذیل تصانیف اور مقالے منظر عام پر آسے ہیں۔

۱۔ عادل شاہی مرثیے مرتبہ میر سعادت علی رضوی۔ ۱۹۵۹ء ۲۔ اردو مرثیے کا ارتقا بیجاپور اور گولکنڈہ میں از ڈاکٹر چراغ علی ۳۔ بیاض مراثی مرتبہ افسر صدیقی۔ ۱۹۷۵ء ۴۔ بیجاپور کے چند مرثیہ گو شعرا۔ اکبر الدین صدیقی (مضمون مشمولہ نکھتے چراغ ۱۹۷۵ء) ۵۔ دکنی کے چند غیر مطبوعہ و نایاب مرثیے۔ ڈاکٹر ابو الفضل سید محمود قادری (مضمون مشمولہ مجلہ تحقیقات اردو ۱۹۸۰ء) ۶۔ دکنی کے چند غیر مطبوعہ مرثیے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر۔ سب رس۔ ستمبر ۱۹۸۳ء

پیش نظر مضمون میں دکنی کے چند غیر مطبوعہ مرثیے تدوین متن کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۔ ظہور ابن ظہوری

ظہور عادل شاہی دور کا ایک ممتاز شاعر ہے۔ اس کے والد نورالدین ظہوری ترشیزی فارسی کے مشہور شاعر تھے جنہوں نے ۱۵۸۰ء میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار میں رسائی حاصل کی تھی۔ اور اس کا دیباچہ لکھا تھا جو سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے۔ ظہور ابن ظہوری نے بیجاپور کی اردو نواز فضا میں پرورش پائی اور فارسی کے دوسرے شعرا سالک یزدی، حکیم آتشی شیرازی، محمد دہدار فانی اور مقیمی استر آبادی کی طرح اردو میں بھی داد سخن دی ہے۔ ظہور نے محمد عادل شاہ کے حکم سے ۱۰۴۶ھ میں "محمد نامہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کا ایک قلمی نسخہ جناب افسر صدیقی امروہوی کی ملکیت ہے۔[1] ظہور کی دکنی غزلوں کے نمونے "دکنی ادب تاریخ"[2]

۱۔ بحوالہ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ تاریخ ادب اردو (جلد اول) لاہور ایڈیشن ص ۲۷۵

۲۔ ڈاکٹر زور۔ دکنی ادب کی تاریخ۔ ص ۳۷

اور "دکن میں اردو"[۳۶] میں موجود ہیں۔

ذیل میں ظہور کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مرثیہ راقم کو کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض[۳۷] میں دستیاب ہوا ہے۔ ظہور چوں کہ فارسی کا بھی ایک خوش گو شاعر تھا۔ اس لیے اس کے دکنی کلام میں بھی فارسی کے اثرات نمایاں ہیں چنانچہ اس مرثیہ میں بھی فارسی تراکیب اور اضافتیں ملتی ہیں مثلاً

۱۔ یو داغ تازہ برجگر مصطفیٰ ہوا

۲۔ ماتم نے عرش عین عزا ہوا

۳۔ جبرئیل کا سینا تھا سو حسرت سرا ہوا

اس غم تھے جب دنیا میں یو ماتم نوا ہوا	ظہور جوش دل میں آکے جگر کربلا ہوا
جب لہو پڑیا حسین کا صحرا میں جوش سوں	اسمان تب زمین تھے کی نیں جدا ہوا
اس غم تھے فاطمہ نے کفن پھارتے ہیں آج	یو داغ تازہ برجگر مصطفےٰ ہوا
کالی اندھاری کاں یو صبا تھی کہ جگ ستے	گویا قیامت آج کے دن ابتدا ہوا
حوراں، پریاں، فرشتے، بنی آدم نیں ستے	ایسا قضا جداں تے خدا کا قضا ہوا
موتی سینپی میں غم تھے جھلی ہورہے ہیں سب	اس سوز تے دریا دیکھو کیوں بے نوا ہوا
زاری ہماری سن کے فرشتے سرگ اوپر	حیران ہو گئے ہیں کر یو کیا بلا ہوا
انجواں تے سب زمین انگاراں میں چھپ رہی	ہور ایک انگار تھا سو اگن کا دیا ہوا
کوئی نیں رہیا اپس میں اس درد و غم ستے	ماتم تے عرش تو عین عزا ہوا (کذا)
حسرت بھرے دلاں جو شہیداں لیکر چھپے	جبرئیل کا سینا تھا سو حسرت سرا ہوا

۳۶۔ نصیر الدین ہاشمی۔ دکن میں اردو۔ ص ۱۴۲

۳۷۔ بیاض مراثی۔ مخطوطہ نمبر ۴ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد

انجواں تے دھو انکھیاں کوں سو پر دا کیے کمن — قاسم نے سیر دیکھے جو امام ڈھو ڈھریا ہوا
لے آرسی کلیجے کی ٹکڑیاں ہیں سوں دیکھے — بھید یا حسن کو زہر جو جیب رنگ ہریا ہوا
دنیا ہے یلے وفا یو وفا کس سوں نیں کر — جو اس سوں دل بندیا سو بڑا ایلے وفا ہوا

اس وقت کی ظہور نہ تھا کربلا منے
میرے اوپر یہ ظلم خدا کیوں روا ہوا

۲ - طالعی

طالعی کوئی غیر معروف دکنی شاعر ہے۔ اس کا تذکرہ قدیم اردو سے متعلق کوئی کتاب میں نہیں ملتا۔ کتب خانہ سالار جنگ کی ایک بیاض (۱) میں طالعی کا ایک مرثیہ دستیاب ہوا ہے۔ اس بیاض میں دکنی کے حسب ذیل شعرا کے مرثیے بھی شامل ہیں۔

۱۔ غواصی ۲۔ ملک خوشنود ۳۔ علی عادل شاہ ثانی ۴۔ فائز ۵۔ احمد ۶۔ عشق ۷۔ حیدری ۸۔ حمزہ ۹۔ عابد ۱۰۔ نصیری ۱۱۔ جلالی ۱۲۔ عاصی۔ ۱۳۔ علی رضا ۱۴۔ صادق ۱۵۔ حسن شوقی ۱۶۔ شفیع وغیرہ

اسی زمین میں قطبی نے بھی ایک مرثیہ لکھا ہے (۲) قطبی کے مرثیے کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے ؎

سب ذوق کے چلے ہیں شجر ہائے ہائے — طوبیٰ کے سب سو کھے ہیں ثمر ہائے ہائے
قطبی نے صاف دل سوں حسینا کے غم سے — کرتا ہے وردشام و سحر ہائے ہائے
لیایا ہے چندر غم کی خبر ہائے ہائے — ماتم گیا جہاں میں گزر ہائے ہائے

---

(۱) بیاض مراثی مخطوطہ ۴
(۲) بیاض مراثی۔ افسر صدیقی ص ۱۰۷

ٹھار کیا دلاں میں جتا غم حسین کا
نیں ذکر کچ زبان کو گر ہائے ہائے

رو رو اسی فراق سوں بیتاب ہور ہے
ماہی و مرغ و جن و بشر ہائے ہائے

جس تے چھوٹیں گے روز قیامت کوں عاصیاں
ویسے کوں یوں دیتے ہیں ضرر ہائے ہائے

دنیا میں دیکھ جور و جفا سرور حسین
راکھے تھے عاقبت پہ نظر ہائے ہائے

یہ پرسوز مرثیہ یو پڑے طالبی سدا
رو رو تین سوں خون جگر ہائے ہائے

۴۔ محمد زماں فائز

فائز قطب شاہی دور کے آخری بلند پایہ شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ ابوالحسن تانا شاہ کے عہد حکومت (۱۶۷۲ء تا ۱۶۸۷ء) میں بقید حیات تھا۔ فائز نے ۱۶۸۲ء میں "رضوان شاہ و روح افزا" کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے جسے سید محمد صاحب نے شائع کر دیا ہے۔ مثنوی رضوان شاہ و روح افزا کے مقدمے میں سید محمد صاحب لکھتے ہیں "شاعر کے حالات زندگی کے بارے میں ہمیں بہت کچھ تلاش کے باوجود کوئی اطلاع نہیں ملی"۔[۱]

ڈاکٹر چراغ علی کو فائز کا ایک نامکمل مرثیہ دستیاب ہوا تھا، جس کے دو شعر انہوں نے "اردو مرثیے کا ارتقا" میں نقل کیے ہیں۔[۲] ڈاکٹر چراغ لکھتے ہیں۔

"فائز کے نام کا پتہ نہیں چلا" اور نہ اس کے حالات معلوم ہو سکے۔"

۱؎ سید محمد۔ رضوان شاہ و روح افزا ص ۳

۲؎ ڈاکٹر چراغ علی۔ اردو مرثیے کا ارتقا بیجاپور اور گولکنڈہ میں ص ۱۵۲

راقم السطور کو کتب خانہ سالار جنگ کی ایک قلمی بیاض[۳۰] میں فائز کا ایک مرثیہ دستیاب ہوا ہے جو ۱۲ اشعار پر مشتمل ہے اور غزل کی ہیئت میں ہے۔ اس مرثیے کے اوپر سرخ روشنائی سے درج ذیل عبارت لکھی گئی ہے

"مرثیہ حضرت امام حسین[ع] من کلام فائض عرف محمد زماں"

جس سے پتا چلتا ہے کہ محمد زماں فائز کی عرفیت یا نام تھا۔ فائز کا تخلص "رضوان شاہ وروح افزا" میں بھی اسی شکل میں "فائض" لکھا ہوا ہے۔ جس طرح زیر نظر بیاض کی ــــ تی اور مقطعے میں درج ہے۔

سور رفعت کے گگن کا یا حسین	نور احمد کے نین کا یا حسین[۳۱]
کیوں کیا عالم کوں بیکس گر جو تھا	شاہ تو جگ کے پٹن کا یا حسین
اس دکھوں زہرا کا دل ہے چاک چاک	حال کیا بولوں حسن کا یا حسین
لیلیٰ اس دنیا گ سوں مجنوں ہوی	چھوڑ پروا مال و دھن کا یا حسین
مار نعرے عرش پر روتے ملک	شور غم سن مرد و زن کا یا حسین
دل ہو ٹکڑے اس کے چھیں نکلیا ہے بہار	بھر گیا پانی نین کا یا حسین
گل کے طو ہو نین تے نکلیا ہے سب	نیں اثر لینے میں تن کا یا حسین
سرو نیں اس درد تے نکلیا ہے آہ	چھوڑ کر سینا چمن کا یا حسین
دیکھ سینا عندلیباں کا پھٹیا!!	چاک گل کے پیرہن کا یا حسین
اشک سوں شبنم کے اس دکھ تے بھرا	نین ہو نرگس چمن کا یا حسین

---

[۳۱] اسی زمین اور قافیہ و ردیف میں ایک اور دکنی شاعر عشقی نے بھی ایک مرثیہ لکھا ہے پہلا اور آخری شعر یہ ہے

گل محمد کے چمن کا یا حسین	سنور حیدر کے گگن کا یا حسین
غم سوں کیتا کر کے باتاں کو بیاں	عشقی شاعر دکن کا یا حسین

بلو نچتے ہیں قبر میں مردے انجھو   کر رومال اپنے کفن کا یاحسین

آسماں کوں جال خاکستر کیا

سوز فائض کے سخن کا یاحسین

۴ - احمد

احمد کے نام، وطن اور حالاتِ زندگی پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے افسر صدیقی امروہوی "بیاض مراثی" میں لکھتے ہیں۔

"احمد کے نام وطن کا صحیح پتہ نہیں۔ ڈاکٹر زور نے قیاساً اس کا نام یتیم احمد اور وطن برہان پور بتایا ہے (اردو شہ پارے صفحہ ۱۴۲)۔ شاید یہ صحیح نہ ہو کیوں کہ یتیم احمد کے جتنے مرثیے نگاہ سے گزرے ہیں۔ ان میں اس نے پورا نام (یتیم احمد) نظم کیا ہے"۔ [۱]

دکن میں احمد تخلص کے متعدد شاعر گزرے ہیں۔ ایک تو احمد گجراتی ہے جس نے دو مثنویاں "یوسف زلیخا" اور "لیلیٰ مجنوں" اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ابن نشاطی نے "پھول بن" میں احمد کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

نہیں اس وقت پر دو شیخ احمد   سخن کا دیکھتے یا ندیا سو میں سد

احمد تخلص کا دوسرا شاعر رسالہ "غم نامہ" کا مصنف ہے جو ۱۱۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ احمد تخلص کے تیسرے شاعر نے سوگ کے اشتراک سے جنگ نامہ محمد حنیف لکھی ہے [۲]۔ احمد تخلص کے چوتھے شاعر نے "شاہ روم" نامی ایک تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے [۳]۔

۱۔ بیاض مراثی۔ افسر صدیقی ۱۹۷۵ء کراچی۔ ص ۱   ۲۔ مخطوطات انجمن ترقی اردو کراچی جلد اول ص ۶۹   ۳۔ مخطوطات انجمن کراچی ص ۳۴۳

ڈاکٹر زور نے اڈنبرا کی ایک بیاض میں احمد کے سات مرثیوں کی ایک نشاندہی کی ہے اور شاعر کا نام یتیم احمد اور وطن برہان پور بتایا ہے لیکن زیر نظر بیاض (بیاض مراثی ۳ کتب خانہ سالار جنگ) میں شاعر کا نام احمد یا احمدی آیا ہے ایک مقام پر سرخ روشنائی سے اس کا نام احمد خاں بھی لکھا ہوا ہے بہرحال یہ ایک دکنی شاعر ہے جس کے متعدد مرثیے ملتے ہیں۔

(1)

شاہ رسل کا دیکھو تاراج گھر ہوا ہے
اس درد سوں نبیاں کا پرخوں جگر ہوا ہے

جگ منے سینے کے غم کے بھرے انگارے ہے
جلنے سوں دل کلیجا عود واگر ہوا ہے

تارے نہیں گگن پر دیکھو سبیح چھیاں
شہ کے درد میں جھک جھک سینہ چھجر ہوا ہے

پرسوز سور دیکھو دھرتی اپر ہوا یوں
تسبیح قدسیاں کوں رب الحزن ہوا ہے

مقدار ایک نیزہ محشر میں سور آوے
خیر البشر سوں ظاہر جگ میں خبر ہوا ہے

نیں حشر تو یو کیا ہے میدان کربلا میں
اس آفتاب دیں کا نیزہ پہ سر ہوا ہے

عالم سیاہ کفنی پہنے تو کیا عجب ہے
اس ہول سیتے کالا اسود حجر ہوا ہے

ایمان کی زمیں پر کیوں نا پڑے اندھارا
اسلام کے گگن کا پہیاں چندر ہوا ہے

گلتے ہیں دل جگت کے ڈھلتے ہیں نیند نین سوں
احمد تیرا سخن یو ہر دل اثر ہوا ہے

(۲)

نیں رہیا طاقت ہمن میں یا حسین
جیو رہیا آ دہن میں یا حسین

توں لیا عہد سے شہادت حق ستے
تھا علامت پیرہن میں یا حسین

تشنگی سن لعل کی تیرے عقیق
ہو رہیا پرخوں یمن میں یا حسین

مصطفیٰ کوں غم سوں تیرے دیک لاگ
انبیا لرزے کفن میں یا حسین

تب لگے گھاواں سو چٹکر جا لگے
مرتضیٰ کے پھر بدن میں یا حسین

فاطمہ کرتے ہیں نعرہ کھول بال ‏ ‏ لا مکاں کے جا صحن میں یا حسین

جو مبارک تن سوں تیرے لوہو چلیا ‏ ‏ لے بھریاں حوراں نین میں یا حسین

غلغلہ یو بھر رہیا ہے حشر لگ ‏ ‏ قدسیاں کے انجمن میں یا حسین

اس دکھوں روتا گگن تارے انجو ‏ ‏ چھپ گیا سورج رین میں یا حسین

صد ہزاراں آہ دنالے بھر رہے ‏ ‏ تج بدل ساتوں گگن میں یا حسین

جیو جلتا مومناں کا تن میں یوں ‏ ‏ سور جوں جلتا گگن میں یا حسین

پھول سب مل مل پڑے بیتاب ہو ‏ ‏ بلبلاں روتیاں چمن میں یا حسین

ہو فدا تیرے اپر پائے شرف ‏ ‏ تھا سعادت بھی چرن میں یا حسین

کیوں کرے احمد ترا ماتم بیاں ‏ ‏ جل گئے معنی سخن میں یا حسین

(۳)

کیوں مصطفیٰ کے گھر اوپر توں گھات لیائی ری صبا ‏ ‏ چندر علی کی اوج کا روشن چھپائی ری صبا

تاریاں کی ساری زرزری توں کہکشاں کی گلسری ‏ ‏ بے تاب ہو ٹکڑے کری ہو راند آئی ری صبا

زلفاں رین کیاں سو چھتے چندر کا ٹیکا نوچتے ‏ ‏ مکھ راک لا دامن اوڑھے کیا ہول لیائی ری صبا

سر پر اگیٹی سور کی جلتی ابھا گگن توں اٹھی ‏ ‏ یکبارگی عالم منے بجیا ہول لیائی ری صبا

روتے اتھے جن و بشر فریاد کرتے جانور ‏ ‏ توں عیش کے بستر ستے جگ کوں اٹھائی ری صبا

سینا گگن کا پھاڑ نی نکلی ہے جیوں تر واری ‏ ‏ شہزادگان دین کوں لوہو میں نھلائی ری صبا

قاسم حسن نوشو کیتیں سہرا شہادت سیس پر ‏ ‏ ہور ہار چھیلا زخم کا لا کر پنائی ری صبا

بھیجی مشاطہ سوک کی جلوہ کوں شہ کے جل کے ‏ ‏ قاضی قضا کا سات لیا خطبہ پڑائی ری صبا

اندوہ کے بادل منے بجلی ہو جھمکی سور کی ‏ ‏ سب دوستاں کے نین سوں دھاراں لگائی ری صبا

تجہ دیکھ چھاتی پیٹ کے کہتا اٹھیا ہے احمدی ‏ ‏ کیوں مصطفیٰ کے گھر اوپر لو گھات لیائی ری صبا

۵۔ عشقی دکنی

عشقی کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ملتا۔ اس کے کلام کی اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک دکنی شاعر ہے مرثیے کے علاوہ اس نے غزلیں بھی کہی ہیں۔[۱] ذیل میں عشقی کا ایک ۱۲۵ اشعار پر مشتمل مرثیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مرثیہ ویسے بیاض مراثی میں بھی موجود ہے لیکن اس میں صرف ۲۳ اشعار ہیں اور بعض اشعار مخطوطہ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے نامکمل رہ گئے ہیں۔[۲] "بیاض مراثی" میں عشقی کا ایک اور مرثیہ شامل ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ہے آج غوغا نگر نگر میں — بھی پھر پڑیا ہے جگ شور شر میں

٭

گل محمد کے چمن کا یا حسین — سرور حیدر کے گگن کا یا حسین
کیوں پڑیا اندکار جو توں شمع تھا — فاطمہ کی انجمن کا یا حسین
مصطفیٰ سا ہو رہیا ہے مشتری — آج تجہ ویسے رتن کا یا حسین
کیوں نہ مر جاویں ترے بن خلق سب — جیو ہے توں جگ کے تن کا یا حسین
پاوں تو ہو جاوں میں گھل کر پتنگ — ہے دیوا مری رین کا یا حسین

۱۔ انجمن ترقی اردو کراچی کی بیاضوں میں عشقی کی غزلیں موجود ہیں ایک بیاض (۶۳۴ ۱/۳) میں ۱۸ اشعار پر مشتمل ایک غزل ملتی ہے اسکے مقطع میں بھی عشقی نے اپنے دکنی ہونے کا تذکرہ کیا ہے ؎

عشقی دکنی شعر کہیا دیکھ دکھن میں — پر ذوق سوں حیراں رہیا خلق عجم کا

(بحوالہ بیاض مراثی مرتبہ افسر صدیقی۔ کراچی ص ۷۹)

۲۔ بیاض مراثی۔ کیا ہے بیاض مراثی ایسے ۲ پاوں پر چل جاوں میں

آگ غم کی دل میں ہے کیا روں آنال
سکہ گیا پانی میں کا یا حسین

فاطمہ ہور مرتضیٰ سکا آل توں!
توں سگا بھائی حسن کا یا حسین

زہر سوں تجہ بھائیؑ کوں دیتا دغا[1]
کافر پر سحرو فن کا یا حسین

خاک و خوں میں کیوں پڑیا قربان ہو
سر مبارک تجہ بدن کا یا حسین

مہر اس غم سوں گیا ہو اجاڑ
بادشاہ رقنا یمن کا یا حسین

بے خطا غم میں پڑیا[2] سارا خطا
خلق پیتا ہے ختن کا یا حسین

اس دکھوں مجنوں چلیا جنگل پکڑ!
کچھ نہ دھر پروا وطن کا یا حسین

جان شیریں اس کے حق پر تلخ ہے
قصہ کیا کوں کوہ کن کا یا حسین

دل میں پاڑیا ہے فلک کے روزناں
نالہ جگ[3] کے مردوزن کا یا حسین

غم کوں کھانا ہور پینا سوا تجہ
سکہ گیا ہے نیر من کا یا حسین[4]

اپنے لطف و کرم ہور پیار سوں
بر توں لیا مقصود من کا یا حسین

تاج ہے شاہنشہاں کے سیس کا
پھول ہے میرے چمن کا یا حسین

بلبلاں رو رو گیاں ہیں بن میں تے
سنگ گیا انار بن کا یا حسین[5]

زندے روتے سو یوسن تیری خبر
مردہ روتا کہ قرن کا یا حسین[6]

تفرقا پڑیا بکھیرا جا بہ جا
خلق سب چارو کدن کا یا حسین[7]

مہر ہوا ہے جگ کی پیشانی اوپر
خاک یو تیرے چرن کا یا حسین[8]

کیوں خوشی کا باغ نا سکھ جائے آج
سرو تھا تو دل کے بن کا یا حسین[9]

کیوں ستارے ٹوٹ نہ پڑ جاویں آج
چند شہادت کے توں گن کا یا حسین[10]

۱۔ دیتی ۲۔ ڈوبیا ۳۔ ہر دو جگ کے ۴۔ قوت لیا ہے مردوزن کا یا حسین ۵۔ یہ شعر بیاض مراثی میں نہیں ہے۔ ۶۔ یہ شعر بیاض مراثی میں نامکمل ہے ۷۔ یہ شعر "بیاض مراثی" میں نہیں ہے۔ ۸۔ یہ شعر "بیاض مراثی" میں نہیں ہے ۹۔ ۱۰۔ یہ اشعار سالار جنگ لائبریری کی بیاض میں نہیں ہے۔

ہوا چھوں گا ہیں سو روز حشر میں — منتظر تیرے چرن کا یا حسین
غم سوں کیتا دکھ کے پاتاں کوں پیا — عشقی شاعر دکن کا یا حسین

۶۔ نصیری

نصیری کوئی غیر معروف شاعر ہے جس کے حالاتِ زندگی پردۂ تاریکی میں ہیں۔ مولوی افسر صدیقی نے "بیاض مراثی" میں نصیری کے دو مرثیے پیش کیے ہیں۔ یہ دونوں مرثیے غزل کے فارم میں ہیں۔ ذیل میں ان کے مطلعے اور مقطعے درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ روتے حسینا تجھ بدل صاحب جمالاں کے دلاں — پیٹتے ہیں تجھ قد سرو بن نازک نہالاں کے دلاں
پڑتے ہیں دکھ کے مرثیے زاری سوں رو رو کر بلا — غمگیں نصیری کے سدا سارے خیالاں کے دلاں
۲۔ روتے محرم دیکھ کر تر لوک سارے ہائے ہائے — لیتے ہیں سینے مار سب غم کے لٹارے ہائے ہائے
تا دل نصیری شاد کر سب عیش کوں برباد کر — .... ہائے ملے

افسر صدیقی ان مرثیوں کا تعارف کرواتے ہوئے رقمطراز ہیں "نصیری کے دو اردو مرثیے ہیں لیکن ان کے حالات ناقابل حصول ہیں۔ کلام میں اچھی خاصی قدامت ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ گیارہویں صدی ہجری کے اواخر کے شاعر ہوں گے"۔[۱]

نصیری کی زبان و بیان کی قدامت کے بارے میں کوئی کلام نہیں لیکن ہم جو مرثیہ پیش کر رہے ہیں اس کے مقطع سے اندازہ ہوتا ہے کہ نصیری شاید شمالی ہند کا کوئی مرثیہ نگار ہو گا جس نے دکن کے علاقے میں بھی شہرت حاصل کی

۱۔ "بیاض مراثی" انجمن ترقی اردو کراچی۔ ص ۱۶۵

ہو گی ہے

تجھ غلامی سوں نصیری شہرہ آج
ہر نگر میں ہور دکن میں یا رسول

اُڑ گیا ہے جیو وطن میں یا رسول
شکہ گیا ہے لھو بدن میں یا رسول

تج دکھوں سٹتے ملک رو رو انجو
لعل ہوتے سب یمن میں یا رسول

شمع خوب جلتی ہے جلتا دل مدام
مج بدن کے پیرہن میں یا رسول

نیں چھوٹے زندے وو مردے غم نیتے
زار ہیں ہر یک کفن میں یا رسول

آہ ماریں فاطمہ ہور مرتضیٰ
قدسیاں کی انجمن میں یا رسول

تاب نالیا سب کلیاں گر گر پڑے
بلبلاں روتیاں چمن میں یا رسول

کربلا کے شہہ کے ماتم ہور عزا
خار ہو سلتا ہے من میں یا رسول

حشر میں ہرگز نہ پاویں گے عذاب
ہے یو برکت تج چرن میں یا رسول

تج غلامی سوں نصیری شہرہ آج
ہر نگر میں ہور دکھن میں یا رسول

۷۔ قادر حیدر آبادی

دکن میں قادر تخلص کے دو شاعروں کا پتہ چلتا ہے۔ ایک قادر لنگا کوتال بیجاپوری ہیں اور دوسرے میر عبدالقادر حیدرآبادی۔ میر حسن اور قائم نے اپنے تذکروں میں اسی قادر کا تذکرہ کیا ہے اور درج ذیل رباعی بھی نقل کی ہے۔

ہر چند ہمیں سب سے اٹھایا ہے ہات
اس پر بھی نہ آزاد کہاے ہے ہات
عالم میں ہر ایک یہ کہتا ہوگا
دکھن میں ہے قادر ابھوں در قید حیات[1]

---

[1] میر حسن۔ تذکرہ شعراے اردو ص ۱۵۲

قادر، ابوالحسن قطب شاہ (۱۶۷۲ء - ۱۶۸۶ء) کے عہد کا ایک ممتاز مرثیہ گو ہے، جس نے مرزا بیجاپوری کے بعد دکن میں بحیثیت مرثیہ نگار بیحد مقبولیت حاصل کی۔ اس نے بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی۔ قادر کے درج ذیل شعر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۰۹ھ میں بقید حیات تھا ؎

سن گیارہ سو اوپر اونچاس سال سبز پاتا قادرا سکا لھو ہیں لال

قادر کے ایک ہم عصر مرثیہ گو شاعر ہاشم علی برہان پوری نے اپنے ایک شعر میں دکن کے تین اہم شاعروں کی وفات پر اظہار غم کیا ہے ان میں قادر کا نام بھی شامل ہے۔

ہزار حیف نیں شاعران دکھن سورو حی و مرزا و قادر نہیں ع۱

ہاشم علی ۱۱۶۹ھ میں بقید حیات تھا، جس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ قادر نے ۱۱۰۹ھ اور ۱۱۶۹ھ کے درمیانی زمانے میں وفات پائی۔

قادر عموماً سبز لباس زیب تن کرتا تھا، جس کا اظہار اس نے اپنے اکثر مقطعوں میں کیا ہے۔ ڈاکٹر زور نے ایڈنبرا کی بیاض میں قادر کے سترہ مرثیوں کی نشاندہی کی ہے ع۲ میر حسن کا بیان ہے کہ قادر کے متعدد مرثیے لوگوں کی زبان پر تھے۔ ع۳

مولوی افسر صدیقی امروہوی نے "بیاض مراثی" میں قادر کے نو مرثیے پیش کیے ہیں جن کے ابتدائی اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ آج مظلوم ہو حسین چلیا آج سینے میں دکھوں جیو بھی جلیا

ع۱ اردو مرثیے کا ارتقا گولکنڈہ اور بیجاپور میں۔ ڈاکٹر چراغ علی ص ۷۸ ع۲ اردو شہ پارے ص ۱۵۷ ع۳ تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۵۳

۲۔ ... چھوڑ کر کیوں جگ میں آتی ری صبا — سرور حسین کوں کر شہید جگ سیں لجائی ری صبا

۳۔ حسین کا مرتبہ دیکھو یو ظالم نیں پچھاتے ہیں — نبوت کے صدف میں کے یو دو موتی کے دانے ہیں

۴۔ محرم یو غم ہے کیل ہائے ہائے — ہوا شور ماتم سگل ہائے ہائے

۵۔ آج سرور چلے ہزاروں حیف — شہ پہ ماتم ہے دین داراں حیف

۶۔ دکھ سوں لرزاں کربلا کا تخت آج — شہ کے تن کا لہو میں رنگیں رخت آج

۷۔ کہی فاطمہ آج نعرا حسین — پڑیا جگ میں غم کا اندھارا حسین

۸۔ ہائے کیسا ناگہانی یو بلا !! — شہ پر آیا در زمین کربلا !!

۹۔ السلام اے شاہ مرداں السلام — السلام اے شیر یزداں السلام

ذیل میں قادر کے چند غیر مطبوعہ مرثیے تدوین متن کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلا مرثیہ مربع کی ہیئت میں ہے جو سات بند پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں چار مصرعے اور ہر بند کا آخری مصرع پہلے بند کا ہم قافیہ ہے۔

(۱)

حیف چیرا حسین ڈھل تیرا — لہو میں مظلوم تن تھل تیرا[۱]

سر گیا تن سوں شام چل تیرا — تن رہیا خاک خوں میں رل تیرا

آج قاسم پو زخم کاری ہے — دکھ عروسی پو سخت بھاری تھے

تخت جلوے سوں جل اتاری ہے — کیوں گریباں پکڑ ازل تیرا

آج بھائی حسین کوں بے کس چھوڑ — غم سوں اہل حرم کا تقوی توڑ

معل سکینہ کی آرزو سوں موڑ — روح پیاسا گیا نکل تیرا

آج یا زو حسین گے ہم تول — گھر شوانی ہوا ہے ڈاواں ڈول

۱۔ مرثیہ قادر۔ مخطوطہ ۲۱۴ ۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد

پکھ وصیت اٹھانی سوں بول — موں کے مخفی کا ٹک انجیل تیرا
ہے ولایت کے برج کا توں سوز — سہ سوں مغرب ہیں کربلا کے چور
کیوں ہوا یو ستم شفق سوں ادر — کیوں سو ہالا ہوا ہے من تیرا
تن کے مصحف میں نور چشمہ بطول — ہر ستر زخم ہر ورق قبول ؟
تھا سو کھاندا رسول کا مقبول — توں ہی قرآں سواد رحل تیرا
ہے حضوری خواص تج قادر ! — جی سوں دربار ہیں سدا حاضر
سبز باناہے جس کوں اس خاطر — جس کوں خدمت ہے ٹھور چل تیرا

(۲)

ہیں خدا کے برگزیدے شہ سواروں لھو ہیں لال[۲]
فاطمہ کے نور دیدے، تن پو داراں لھو ہیں لال
تھا شوانی سر پو تختہ سو چہ نوشو پو کفن !
کر کے زخماں کے ہمیلاں بھاے ہاراں لھو ہیں لال
جن کے سہرے پر کیے سو دشمناں نے جنگ وجور
پھول کے تھے او شہانی جن کے ہاراں لھو ہیں لال
شہ پو تیراں کئی ہزاراں، یوں برستے ہیں خدا
جوں کہ بادل سوں لگے بوتداں کے دھاراں لھو ہیں لال
کر حسن کے بعد رحلت غم میں سرور کا رخیر
سب عروسی رسم سو کی کر بچاراں لھو ہیں لال

لاگے زخماں بھر کو تن کوں شیشے رنگیں خوں بھرے
جن کے جانی رنگ شہانی تھے جو یاراں لھوئیں لال

سب شہاں نے تن ... کسوت غم میں ویراں سخت ہو
خاک تن میں بہا دیسی، کر سنگاراں لھو میں لال

شو کی میت پو پچھاڑیاں کھا پیٹیاں کے توڑ بال
جن پٹیوں پر جوئی ڈھلتے ان کے تاراں لھوئیں لال

دل کے حسرت کے چمن کوں داغ جلوے کا دیے
ہو جییں شہ لھو میں لالاں لکھو خاراں لھوئیں لال

لھو کے کوندن سو جڑایا زخم ہر یک تیر کے !
شہ کے تن او روپ کوں کرنا پکاراں لھوئیں لال

کر پیمبر لب سو اپنے ہر شاہ کے حلق پر
اس پہ خنجر کی زبانی خوں کے دھاراں لھوئیں لال

گیے کھولے سر شام طفلاں او مصیبت غم میں سات
تن یوسف تیر ہے پر سر تنہا قطاراں لھوئیں لال

غم میں ماہی ہور مراتب چھتر روئیں زار زار
بھوئیں پے سر تخت سوں ہے تاجداراں لھوئیں لال

شہ کی حیرت کی تواضع سرخ یاقوتی محل
جس کی پائے لی رضا سوں ہے دیواراں لھوئیں لال

ہے زخم پھر تازہ غم کا سبز بانا قادا !
دل پو کاری کھڑک ہے یو جھکے داراں لھوئیں لال

---

(۳)

فاطمہ کے جیو کا توں گوشواں وارا یا حسین ع

احمد مختار کا توں ہے پیارا یا حسین

عرش کرسی لا مکاں لگ ہے انوکا سب ظہور

نور سبحانی تجلا ہے تمارا یا حسین

دین دنیا ہے منور تج مبارک ذات سوں

ہے رسالت کے گگن کا تو ستارا یا حسین

شاہ مرداں کے جو ہے گل کا تو قرآن مجید

خط زخماں سوں لکھا تھا آشکارا یا حسین

تن کے مصحف پر کفن ہے شہادت کا غلاف

توں حقائق کا کلام اللہ ہے سارا یا حسین

اس دکھوں رو سر پچھاڑیا کوثر و عرش عظیم

ہے مکان لامکاں لگ یو پکارا یا حسین

حیف بیعت سوں پھرے کئی تج سوں یو بیقول ہو

کیوں کیئے مظلوم ظالم دے پتیارا یا حسین

کیوں کیئے افسوس ظالم یوں ستم کے ہات سوں

تج کھیلی مصطفیٰ سکوں یوں گواں را یا حسین

ہے شہادت کے شرف کے برج کا خورشید توں

یا نبوت کا درخشاں قطب تارا یا حسین

حشر کوں یاراں شفاعت کے اچھیں امیدوار
دین دنیا میں وسیلہ ہے تمہارا یا حسین
پھر سینے میں قادرا کے سوز کے شعلے اٹھے
تو زباں یوں بولتی ہے غم شرارا یا حسین

(۴)

مصطفیٰ اس درد سوں رنجور ہے[۱] — سب نبیاں کے دل میں غم معمود ہے
اس دکھوں جنت میں روتی فاطمہ — تو گریباں چاک ہر یک حور ہے
یکدم سیاہ پوش ہوا شاہ کا چشم — جس کوں کھاندا مصطفیٰ کا طور ہے
اس منور ذات کے فرزند کا ! — غم نبی کے قول سوں مشہور ہے
کیف میں غم کے محیط جام سوں — خلق سب چاروں طرف مخمور ہے
دل کے عشرت کے قلعہ پر گر پڑے — آہ کے نالاں سوں چکنا چور ہے
آہ کے یوں ورد پر دل درد سوں — جیوں انا الحق بول کر منصور ہے
اس درد کے زخم کو مرہم نہیں — آہ کے سینے میں ہر ناسور ہے
نیں ہے جس کے دل میں اس غم کا اثر — وو شفاعت سوں نبی کے دور ہے
تس کے دل کا ہے گریباں غم سوں چاک — اسکو خلعت نور کا مغفور ہے !
ہر زبچن یو لیا جو غم کا قادرا !! — سو نبی کے پاس سب منظور ہے

(۵)

پیدا ہوا غم کا بنا جب یا علی موسیٰ رضا — دھوتا ہے جگ رور و گناہ جب یا علی موسیٰ رضا[۲]

---

۱ مخطوطہ ۸۶۹ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد۔ ۲ یہ مرثیہ غزل کی شکل میں ہے لیکن اس میں قافیے کا خیال نہیں رکھا گیا صرف ردیف کی پابندی کی گئی ہے۔ مخطوطہ ۸۶۹ ادارہ

شہ سب میں ہے عالی قدر دونوں جہاں میں ناموُ — سایہ ہے او عصیاں اوپر جب یا علی موسیٰ رضا
شہ سوں او ہے دنیا و دیں شہ معدن صدق و یقیں — شہ ہے نبی کا جانشیں جب یا علی موسیٰ رضا
زیور ہے او فرقان کا کعبہ ہے او ایمان کا — پیارا ہے دو سبحان کا جب یا علی موسیٰ رضا
شہ دیں کا یو تاج ہے ایمان کا معراج ہے — جس کوں امامت راج ہے جب یا علی موسیٰ رضا
مشتاق او کرتار کا جیو یا تد نقد دیکبار کا — سودکیا دیدار کا جب یا علی موسیٰ رضا
شہ کا گذر حق باش ہے دایم شہاں میں خاص ہے — جسکی دو جگ کوں آس ہے یا علی موسیٰ رضا
ایمان کی قندیل میں ہو شہ کا غم جب آ شکر — روشن ہوا جگ میں جب یا علی موسیٰ رضا
جنت محبت کا عدم کوثر ہوا شہ کا قدم — توں شہ شفاعت ہے غم جب یا علی موسیٰ رضا
اپنے کرم کی چھاؤں کر روشن مراتوں ناتوں کر — قربان ہوں تج پانوں پر جب یا علی موسیٰ رضا
اسے قادرا توں کر جتن شہ کی محبت کا رتن — بس ہے تجے یو دم وطن جب یا علی موسیٰ رضا

۸ ۔ مشہور

مشہور ایک غیر معروف دکنی شاعر ہے، جو شہوری تخلص بھی کرتا تھا۔ اس کا ایک مرثیہ ادارہ ادبیات اردو کی ایک بیاض مراثی (مخطوط ۲۱۳) میں دستیاب ہوا ہے۔ یہ مرثیہ چار مصرعوں پر مشتمل دس بندوں پر پھیلا ہوا ہے۔ آخری مصرع ہر ایک بند میں مشترک ہے۔

۱؎ شہوری کا ایک ناقص الاول مرثیہ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی بیاض ۳۶۳ میں بھی موجود ہے یہ مرثیہ مثنوی کی ہیئت میں ہے اور اسکے صرف آٹھ اشعار محفوظ ہیں۔ پہلا اور آخری شعر یہ ہے

روے معصوم بیتیاں تجے رو رو کو حرم — خدایا یو کیا دو دکھ ہمارے آج کرم
شہوری کے اوپر رکھو کرم پیار حسین — نہیں تج بن جہاں میں مجھے آدھار حسین

اے شہ دلدل سوار توں ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا !
اے قاتل کفار توں ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا ۲۶
آسمان سوں تجکوں خدا ‏ ‏ بھیجا شہادت کا ندا !
توں کر قبول اسپیں فدا ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
معشوق کے توں دھیان سوں ‏ ‏ حق کے امر فرمان سوں
راضی ہوا اپنی جان سوں ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا !
اے ساقی کوثر حسین ‏ ‏ اے ہادی رہبر حسین
اے حیدر صفدر حسین ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
اے صاحب سلطان توں ‏ ‏ اے معشوق سبحان توں
اے بخشندہ ایمان توں ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
دنیا سوں توں مکھ موڑ کر ‏ ‏ حق سوں محبت جوڑ کر
سارے حرم کوں چھوڑ کر ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
توں ہی خدا کا راز حسین ‏ ‏ تجکوں ولایت ساز حسین
اے عاشق جاں باز حسین ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
سارے ولیاں کا پیر توں ‏ ‏ دو نوں جہاں کا میر توں
اے عاشق گنبھیر توں ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
روتے نبی سارے ولی ‏ ‏ روتے ہیں مرتضیٰ علی
اے حیدر ابلا بلی ! ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا
مشہور کوں اپنا کر حسین ‏ ‏ توں پیار منجہ پر دھر حسین
مقبول عشق کا توں در حسین ‏ ‏ کیوں جا بسایا کربلا

---

۲۶ بیاض مراثی ۔ مخطوطہ ۲۱۲ ۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ۔

۹۔ مریدی

مریدی ایک غیر معروف دکنی شاعر ہیں۔ ڈاکٹر زور نے بھی مریدی کے حالات زندگی کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا ہے[1]۔ ادارہ ادبیات اُردو کی ایک قلمی بیاض (مخطوطہ ۱۲۹) میں مریدی کے دو مرثیے ہیں۔ اس بیاض میں دکنی کے چند معروف شاعروں کے مرثیے بھی شامل ہیں جن میں وجہی، نصرتی، ملک خوشنود اور عبداللہ قطب شاہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مریدی کے دو اور مرثیے ادارہ ادبیات کی ایک اور بیاض (مخطوطہ ۷۰۰) میں بھی موجود ہے[2]۔ مولوی افسر صدیقی امروہوی نے "بیاض مراثی" میں مریدی کے تیرہ مرثیے پیش کیے ہیں[3]۔ مریدی کے بارے میں افسر صدیقی لکھتے ہیں۔

"مریدی بہت بڑا مرثیہ گو ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ مرثیہ گوئی میں صرف کیا۔ اس بیاض میں اس کے ۱۳ مرثیے ہیں جو سب کے سب غزل نما ہیں چہار مصراعی کوئی مرثیہ نہ ہونے کی بنا پر قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ مربع نما مراثی لکھنے والوں سے مقدم ہے اور اس لحاظ سے اس کا زمانہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط کا ہونا چاہیئے۔ . . . افسوس ہے کہ ایسے باکمال کے مفصل حالات زندگی حاصل نہ ہوسکے حتیٰ کہ اس کے نام اور وطن کا بھی علم نہ ہوسکا۔"

انجمن ترقی اردو کراچی کی ایک بیاض میں مریدی کا ایک اور مرثیہ محفوظ ہے جس کا مطلع ذیل میں نقل کیا جاتا ہے[4]

ہدایت واسطے اول رسالت ہے رسالت ہے
سو اس کے بعد یو بر حق خلافت ہے خلافت ہے

۱۔ تذکرہ مخطوطات (جلد چہارم) ادارہ ادبیات اردو۔ ص ۱۸۴ ۲۔ تذکرہ مخطوطات (جلد چہارم) ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ص ۱۸۶ ۳۔ بیاض مراثی۔ انجمن ترقی اردو کراچی۔ ۱۹۷۸ء ص ۱۵۱ ۴۔ بیاض ۳/۲۴۵۔ انجمن ترقی اردو کراچی۔

پیش نظر مضمون میں مریدی کے دو مرثیے تدوین متن کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان میں پہلا مرثیہ وہی ہے جسے افسر صدیقی نے "بیاض مراثی" میں بھی پیش کیا ہے۔ البتہ دونوں مرثیوں میں اختلاف نسخ موجود ہے جسے فٹ نوٹ میں درج کیا جاتا ہے۔ ان مرثیوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ مریدی ایک خوش گو اور قادر الکلام مرثیہ گو تھا۔ مریدی کے حسب ذیل شعر سے پتا چلتا ہے کہ وہ ایک غزل گو شاعر بھی تھا ؎

چک لبر جا غزلہ مریدی کا ؛ پڑتے ہیں مرثیہ سو فر سب

[1]

توں شہ ملک ولایت یا امام ؛ توں مہ اوج جلالت یا امام

حق ترا تھا جان کر بھی[1] تجھ سیتے ؛ کیوں لڑیا بہرے[2] امارت یا امام

مصطفیٰ کا پیار دیکھے تھے ولے ؛ نیں اتھا ان کوں بصارت یا امام

جب سوں پہنچا غم تو سب انس و جن ؛ چک نہیں کیتے تھے راحت یا امام

جو متاع خرمی تھا جگ منے ؛ دوک[3] یو آ کیتا ہے غارت یا امام

عیش عشرت بھول جا سب گنگ ہیں ؛ غم آ کر[4] لیا یا قیامت یا امام

دشمناں تیرے جہنم میں جلیں ؛ کھینچتے ہیں نت[5] ندامت یا امام

گر تجھے لاکھاں سوں دیکھن اٹھا ٹھتے ؛ دیکھ دو تیرا صلابت یا امام

رستمی جمشید بھاگا اس کو دک[6] ؛ دیکھ کر شیر اشجاعت یا امام

کفر باطل کر کو یکدھر تھے تمام ! ؛ دین کوں بخشیا ہدایت یا امام

وصل خاطر ذوق سوں کیتا تہیں ؛ سب شہیداں ہیں سباقت یا امام

ر۱ دو ر۲ بہرے ر۳ دیکھ ر۴ مگر ر۵ کھینچتے نت دیو ندامت ر۶ رستم و جمشید کیکاوس دھک

جب ترا ہور خواہش رب دیو پنچ تھا؟ ‏ نہیں تو کاں تھا کس کیو طاقت یا امام

خاک پا تیرا مریدی تس اوپر
حشر کوں کرنا شفاعت یا امام

[۲]

چک دلاں کوں لہو سو کر کر سب ‏ نت بہاویں انکھیاں سوں دھر دھر سب
آرہ ہو غم شاہ کا نس دن ‏ کاٹتا ہے دلاں کوں گھر گھر سب
تس اوپر بھی نمک یو زخماں ییں ‏ درد کاٹت لگے سو چرچر سب
جاگتیاں کوں یو غم آچایا ہے ‏ چونک پڑ پڑ رو اٹھے سو ڈر ڈر سب
لگ چندر دھمک سوں اس غم کے ‏ پھرتے ہیں آسمان کر کر سب
جو محبان شاہ کا ہر سال ‏ کریں یو عرس اپنے گھر گھر سب (کذا)
کریں روشن دیوے یو نظراں کے ‏ نین طاقاں منے سو دھر دھر سب
انکھیاں ہور دلاں کے فانوساں ‏ باندتے ہیں سنوار ٹھر ٹھر[۱] سب
چک بسر جا غزل مریدی کا ‏ پڑتے ہیں مرثیہ سو فر فر سب

٭

۱۰ - امیدی

امیدی ایک غیر معروف مرثیہ گو ہے۔ اس کا ایک مرثیہ ادارہ ادبیات اردو کی ایک قدیم بیاض (۱۲۹ ع) میں دستیاب ہوا ہے۔ ڈاکٹر زور نے بھی امیدی کے نام اور حالات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔[۲]

۱۔ ٹھار ٹھار (بمعنی جگہ جگہ) ۲۔ تذکرہ مخطوطات (جلد چہارم) ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد ص ۱۸۵

غریبی کیک کر نواسیاں کا جفا یاد کرو! | خوشی ہور خرمی سب دل پو تے برباد کرو
وصیت کیتے حسن جتنے وقت مکہہ یو رقعہ (کذا) | مبیک کر قاسم کوں حسینا تمیں داماد کرو
قاسم آشہہ کوں شہادت کیے وقت یوں جو کہے | بازو بند کھول شرط کا مجے آزاد کرو!
حسین اس وقت پڑے عقد ہوئے نوشو شہید | مہیاں لعن بریزید براولاد کرو!!
ہوس ہے پانے درس رب کی رسالت کا تمیں | سبھیں شاگرد ہو اس درد کوں آزاد کرو
کدھیں اس درد کی دیوار کسی نے نہ بنائی ایسی | انجو کے نیر سیل محکم تمیں بنیاد کرو!
شیریں ہے شور شرر ہور تلخ زندگی ہے | تیشے تل آہ کر ایسیں ستے فرہاد کرو
خوشی کے میل کوں یکبار لگا درد سابن | انکھیاں کے پانی سوں دھو دھو اسے نپل ناد کرو
جتا غربت ہور غریبی میں سٹ آزار لگا | وتا سب سوس کے کس کوں نکو فریاد کرو
محض اس درد سوں زرد ہوئے ہیں ہو غالی | سا تو سمندر جو ل کر اسے امداد کرو

تمارے پیار پو دل بہوت ہووے کر حسین
سے امیدی کے دے امیداں جو مد دلشاد کرو؟

۱۱۔ ملک خوشنود

ملک خوشنود محمد عادل شاہ (۱۶۲۷ء۔ ۵۶ء۱۶) کے دربار کا شاعر ہے۔ وہ دراصل گولکنڈہ کا بادشاہ تھا اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا غلام۔ عبداللہ قطب شاہ نے اس کو اپنی بیٹی خدیجہ سلطان کی شادی کے موقع پر ۱۶۳۳ء میں اس کے جہیز کے ساتھ بیجاپور بھیجا تھا۔ اس کی ایک مثنوی "جنت سنگار" (۱۶۴۰ء) جو امیر خسرو کی ہشت بہشت کا آزاد ترجمہ ہے بیحد مقبول ہوئی۔ اس غیر مطبوعہ مثنوی کے علاوہ خوشنود کی چند غزلیں، ایک ہجو اور چند مرثیے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔

۱؎ خوشنود کے دو مرثیے سب سے پہلے مولوی میر سعادت علی رضوی نے اپنی کتاب "عادل شاہی مرثیے" ۱۹۵۹ء میں پیش کیے تھے۔ جن کے مطلعے درج ذیل ہیں:

۱۔ ماتم حسین کا سن جیو بے خبر ہوا ہے | تیراں لگے ہیں غم کے سینا جھر ہوا ہے (۲۸ شعر)
۲۔ ماتم محرم کا انبر بھر جگ منے آیا عجب | دھرتی گگن پاتال میں پھر آگ سلگایا عجب (۱۳ شعر)

بعد میں انہیں مرثیوں کے بعض اشعار کو مولوی افسر صدیقی نے "بیاض مراثی" (۱۹۷۵ء) میں اور پروفیسر محمود قادری نے مجلہ تحقیقات اردو (۱۹۸۰ء) میں شائع کیا ہے۔ پروفیسر محمود قادری نے خوشنود کا ایک اور مرثیہ ادارہ ادبیات اردو اور کتب خانہ سالار جنگ کی بیاضوں سے تقابل کر کے مجلہ تحقیقات میں شائع کیا ہے [۱۶] ابیات پر مشتمل اس مرثیے کا مطلع یہ ہے۔

ہائے فلک کیا کیا، ہائے فلک کیا کیا — فاطمہ کوں غم دیا، ہائے فلک کیا کیا

راقم الحروف کو خوشنود کا ایک اور مرثیہ دستیاب ہوا ہے۔ اس مرثیے کو ملا کر ملک خوشنود کے مرثیوں کی تعداد چار ہو جاتی ہے۔ دس اشعار پر مشتمل یہ مرثیہ جگہ جگہ کرم خوردہ اور آب زدہ ہو گیا ہے اس لیے بعض اشعار ضائع ہو گیے ہیں [۱]

زاری کرو عزیزاں غم کا جنم ہوا ہے — اس درد کا ...... کاتب -------

جم درد کے اگن سوں جلتا ہے دل نبی کا — جو تھا خوشی علی کا ملک عدم ہوا ہے

تر جگ دھرت گگن میں دیکھیا نہ کئی سنیا کا — یو ظلم کربلا میں -------

جیوں اژدہا ہوا ہے غم فاطمہ کے دل میں — سٹتا اگن کے شعلے سک جل بھسم ہوا ہے

سورج چندر ستارے ماتم کریں گگن میں — تو ٹے ہے آج گھر سیتے سب عرش خم ہوا ہے

شام یزید کو نی این زیادہ اوپر ؟ !! — دایم ازل تھے لعنت ہر دم بدم ہوا ہے

جلتا ہے کھور دل کا غم کے پڑے انگارے — داٹیا دھواں بین میں دیدا سونم ہوا ہے

------- جلیا ہے — ------- ہے

سدا ہیا رگت ہو سب تن جلتا ہے دو کہ سوں — ماتم حسین کا جم تلتل کوں غم ہوا ہے

اللہ مصطفا کا خشنود نے کیا ہے — ماتم حسین کا جم تس پر کرم ہوا ہے

---

[۱] مخطوطہ نمبر (۲۴۰) ادارہ ادبیات اردو، جلد اول صفحہ ۲۶۴

۱۲۔ شاہ راجو قتال حسینی

حضرت سید شاہ راجو قتال حسینی (متوفی ۱۰۹۳ھ/۸۲-۱۶۸۲ء) قطب شاہی عہد کے آخری فرماں رواں ابوالحسن تانا شاہ (۱۶۷۲ء-۱۶۸۶ء) کے مرشد، بلند پایہ صوفی اور شاعر تھے۔ ان کے مریدوں میں دو شعرا طبعی اور عابد شاہ بہت مشہور ہوئے۔ طبعی نے "بہرام و گل اندام" میں لکھا ہے کہ بادشاہ وقت (ابوالحسن تانا شاہ) پیدل چل کر اپنے مرشد (شاہ راجو) کے گھر آیا تھا۔

ولی توں بڑا ہے کہ کر شاہ راجو | چل آیا ہے ستی تیرے گھر شاہ راجو
دکن کا کیا بادشاہ بوالحسن کوں | ترا تخت دیکر چھتر شاہ راجو

شاہ راجو کی دکنی منظومات میں ایک مختصر نظم "سہاگن نامہ" کے علاوہ دو مرثیوں کا پتا چلتا ہے۔ یہ دونوں مرثیے بالترتیب ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی قلمی بیاضوں (۳۷/ ۴۲۰، ۸۶۹/ ۸۲۹) میں موجود ہیں۔

[۱]

حسینا کے کرم سوں آل حرم پر | ہوا ہے قیامت سو یارب سراسر
چندا چودواں تھا علی کے برج کا | نبی کے درج کا سو او لعل گوہر
شہادت کر اتخت، جس کوں عطا ہے | او صاحب سچا راج ہے ہفت کشور
ہوا اسوار[1] تازی او غازی غضب سوں | لیا ہات شمشیر شہ نے غضب کر
گگن ہور عرش کوں سو لرزا چھوٹا تھا | مگر آج نازل ہوا روز محشر
او کافر سل وسیہ - - - - | اکیلا لڑیا سب سوں - - - -

---

[1] سوار

یزید بد بخت پر سد العن بھیجو ! — او مردود مقہور بیشک ہے کافر

تقی ہور نقی شاہ باقر کہتے سو — یو معصوم اتھے لئی حبیناسوں دلبر

امام زماں صاحب دو جہاں کا — او ہدی یو ہادی سچا راہ رہبر

ہٹیلا او شہ جہان غازی غزا میں — اتھا شاہ کاظم دلاور غضنفر

شجاعت ہے مشہور موسیٰ رضا کا — اتھا صف شکن او شہا شاہ صفدر

... کو فے کوں جا شاہ مسلم — - - - - - - - -

- - - کا سوا و نور روشن — - - - - - - اتھا شاہ جعفر

زین العابدین شاہ عالی قدر کا — پدر تھا نویلا و معصوم خوشتر

نوا نو پہر کا سرو لہلہاتا !! — نپٹ کنولے سن میں اتھا شاہ عسکر

کنگن باند کر ہات لڑتے چلیا تھا — یو قاسم نول شہ نوا چاند انور

شہیداں ہو - - - - - — ملک تلملے سارے ساتو فلک (پر)

چندا غم سوں خم ہو رہیا ہے شفق میں — غوطا کھا لہو میں رہیا تن جیجا کر

امیر جنت دلے عزت - - - — شہ محباں - - - - - -

ادھور - - - - - - - — او ابن خاتون روز محشر افی او ..

سورج شہ کے ماتم سوں تپتا اگن میں — ستارے ہو برہم رہے سارے ابتر

دھریا ہوں میں امید تیرے کرم کا — حشر کوں پلانا مجھے جام کوثر

شفاعت دے مجھ شاہ اپنی بقا کا — ہمیشہ لگا مجھ ترا عشق اکبر

رحم شاہ راجو حسینی پہ اپنا — تیری چھانوں میں رکھ شہنشاہ سرور

[۲]

غمزدہ ہو کھن پو نکلیا غم سا چیند رہا ہے ہائے

شور ماتم کا اٹھیا پھر جگ میں گھر گھر ہائے ہائے

شہ کے ماتم میں سدا سورج الپس جلنے لگیا
پڑکے حیرانی میں پھرتا ہے انبر ہائے ہائے
کیوں نبیاں کے دل جلے تا اس دکھوں تے ایکبار
یوں کہ جنت میں اپے کیتے پیمبر ہائے ہائے
چوکدن کے اولیا دلگیر ہوتے ہیں پرہائے
جب تے راحت آپنا چھوڑے ہیں حیدر ہائے ہائے
حور جتنے بہشت کے کسوت کیے اپنا سیاہ
فاطمہ جب سوں ہٹی اپنا دو زیور ہائے ہائے
حالاں جب عرش کے پہنے ہیں کفنی سب ہری
جیوں حسن کوں زہر دیتے سب دو کافر ہائے ہائے
ساتوں اسماں کے ملائک لال کسوت سیکیے
ل حسین کوں جب کیتے سنگدل دو گھتر ہائے ہائے!
بھر کو بادل ... ہے پانی آسماں
جو سو پانی نیں پیے دو شاہ اکبر ہائے ہائے
آسماں پہنا ہے کفنی نیل کی تب سوں لگے
جیو دیے کربلا میں شاہ اصغر ہائے ہائے
قتل کر سب شاہزادے بند پکڑ سارا حرم!
کیوں تنگے پاداں چلایا سو عمر ہائے ہائے
کیوں پڑیا نیں تٹ کو انبر دیک ان کے حال کوں
آسماں تن کوں رنگایا لھو شفق کر آپنا!!
جب تے دیکھیا بھیں آپر ہے غم کا دو نگر ہائے ہائے

۔۔۔ ڈونگر کے جھرے یوں روئیں مردے جیں بھیتر
بینچ کھا پانی بھتا ہے غم سوں سر سر ہاے ہاے
آسماں گردش سنے پھرتا اتھا ہر صبح و شام
اس دکھوں سوں تلملاتا عرش و ممبر ہاے ہاے
ش کے غم کی آگ لگ سارا جبش کالا ہوا
تل اپر تے ریز ہو تٹیا ہے خیبر ہاے ہاے
ناخدا کوں دریں کوں نا ایس میں عار ہیا
کیوں گلے پو شاہ کے خنجر شمر عمر ہاے ہاے لاکندا
دھوپ پڑ نا تو حسینا کے اپر آجبرئیل ۔ یا
چھانو کرتا تھا الیس کا شاہ پو شہپر ہاے ہاے
ظالماں دیاں کو مارے اے میاں ہو تمے
جو لکوں جیتے ہیں تو لگ کہو یو اچھر ہاے ہاے
کیوں حسینی ہور یوسف رہے صدا خوش حال ہو
کئی دنیاں تے غمزدے وو شاہ حیدر ہاے ہاے

فرہنگ

لفظ	معنی
اپلوچ	مصری، نبات
ابھال	بادل
ابھولا	خاموش
آپ	اپنا، آپ، اپنے
آپر	اوپر
اُپرال	اوپر کی طرف، اوپر
اسپیں	آپ خود، خود کو
اپروپ	بے شک، نایاب
اپے	آپ خود
آپنے	اپنے
آپہیچ	آپ ہی
اِتا	اب، اتنا
اتال	اس وقت، فوراً
اِتبار	اعتبار
اتم	اعلیٰ، خوبی
اتناچ	اتنا ہی
اتھا	تھا
اتھی	تھی
اتھے	تھے
اتھیاں	اتھی کی جمع بمعنی تھیں
اُٹ	اُٹھ
اٹک	جگہ، مقام
اٹھیا	اٹھا (اٹھنا)
اُجارا	اجالا
اجال	روشن، چمکدار
اجھوں	اب تک، ابھی تک
اچانا	اٹھانا
اچپل	چنچل، شوخ
آچھا	اچھا، بہتر
اچھنا	ہونا، رہنا
ادک	بہت، نہایت
ادھار	سہارا
ادھر	ہونٹ، لب
ارداش	عرضداشت، عرض
اسمان	آسمان
اکھر، اچھر	الفاظ حروف
اگ	آگ
اگن	آگ

آلا : اعلیٰ
الج : الجھ
امّا : مگر، لیکن
امرت : آبِ حیات
اُمس : ہمت، شوق
اپنڑانا : پہنچانا
اپسرڑنا : پہنچنا، حاصل ہونا
انجن : کاجل، سرمہ
انجو : آنسو
اند : اندھیرا
اندکار : اندھیرا
اندلا : اندھا
اندھارا : اندھیرا
انگے، آنگے : سامنے، آگے
اہے : ہے
ایتا : اتنا
باٹ : راستہ، راہ
باج : بغیر
بارا : ہوا، آندھی
بالی کن : کان کا بالا
باند : باندھ
باؤ : ہوا

بچن : بات، قول، شعر
بدلی : بادل، سیپ
بدھانا : ترقی، زیادہ ہونا
بر : بدن، بغل، شوہر
برسے : برائے خدا
بزاں : بعد ازاں، اس کے بعد
بسارنا، بسرنا : بھلا دینا، بھلانا
بیسلانا : بٹھانا
بغر : بغیر
بانا : ڈالنا، پلود، پرونا
بُند : بوند
بولیا : بولا
بھوت : بہت، کثیر
بھو : بہت
بھوتیک : بہت ہی
بھیں : زمیں
بھاتا : پسندیدہ، مرغوب
بھار : باہر، بوجھ، بہار
بھان : ہمن، سورج، صبح، روشن معلوم ہونا
بھانت : طرح، مانند
بھانا : ڈالنا، ہونا، پسند آنا، بہانہ
بیگ، بیگی : جلدی، تیزی سے

پاکھر : ایک قسم کی آہنی پوشاک
پاگا : اصطبل، پائے گا
پتولا : کمبل
پتیارا : بھروسہ، اعتبار
پٹن : شہر، بستی
پچھیں : پیچھے
پر : بیگانہ، دشمن
پران : نفس، جان
پرت : محبت
پسار : پھیلا کر
پکڑنا : اختیار کرنا
پو : پہ، پر، اوپر
پھانکنا : بھاگنا، دور ہونا
پھتر : پتھر
پھل : پھول
پھتوارہ : قرا
پھتوارا : پھندا
پیو : محبوب، معشوق
پیونا : پینا
تجہ : تجھ
تدھاں : تب، جب
ترلوک : تین عالم (سورگ، پاتال، دنیا)

تروار : تلوار
تسوں : اس لیے، اس وجہ سے
تل : تلے، نیچے
تل تل : لمحہ لمحہ
تلار : نیچے، تک
تلیں : نیچے
تمن : تمہارا
تو : تب، تیرے
تہیں : تو ہی
تھیاں : تھیں
تھے : سے
تے : سے
تیریچ : تیری ہی
ٹاٹا : جھگڑا
ٹھار : ٹھکانا، جگہ
ٹھلا : پناہ، ٹھکانا
ٹھاوں : مقام، جگہ
جاب : جواب
جاگا : جگہ
جالنا : جلنا، جلانا
جتا : جتنا
جہ : جب

جدھاں : جب، جہاں

جس : شوکت، نیک نامی

جکوئی : جو کوئی

جگ : دنیا، جہاں

جل : پانی

جم : ہر وقت، سدا

جما : جمع

جمالا : جمال

جوت : روشنی

جن : جو، جو کوئی

جنے : جس نے، جو

جوت : روشنی

جھرے : جھرنے

جونا : قدیم

جیا : دل

جیباں : جیب کی جمع (زبانیں)

جیت : جیت، فتح

جیو : جان

جیوں : جس طرح

جیونا : جینا

چاتر : ہوشیار

چارا : خوراک

چارو : چاروں

چاکن : بوسہ

چاکنا : چکھنا

چاکیا : چکھا

چتارا : تصویر بنانے والا، مصور

چتر : تصویر

چک : آنکھ

چلبلی : بے قرار، بے اختیار

چمناں : چمن کی جمع

چند، چندر : چاند

چندنا : چاندنی

چوالا : چوپال

چوندھر : چاروں طرف

چنے لفظ : منتخب الفاظ

چھب : خوبی، خوبصورتی

چھبیلا : خوبصورت، حسین مرد

چھند : مکر و فریب

چیرا : کپڑا، پارچہ، مرید

دارو : دوا

داس : غلام

درحال : فوراً

درس : درشن، دیدار

درونا : باطن
دستا : دکھائی دینا
دسے : دکھائی دے
دیا، دیوا : دیا، چراغ
دوتن : رقیب، غیر
دوتی : دلالہ
دُک، دکھ، دوک : دکھ
دھات : طور، طریقہ
دھاک : ڈر، خوف
دھانا : دوڑنا، بھاگنا
دھایا : دوڑا، بھاگا
دھر : جگہ، پاس
دھرت : زمین، دنیا
دھلارا : گرد و غبار، دھول
دھن : محبوب، عورت
دھیٹ : بے شرم
ویس : دلنا
دیک : دیکھ
دیکھت : دیکھ کر
دیکھیا : دیکھا
ڈاب : کمر کا پٹکا، کمر پٹا
ڈب : روش، چال، کمر

ڈگ مگ : قدم قدم
ڈونگر : پہاڑ
ڈھگار : ڈھیر
رلزاں : راز کی جمع
راک : راکھ
رسالا : رس دار، دلچسپ
رست : قطار
رک : درخت
رکت : خون
رنگ راتی : عیش کرنے والا
رنگارا : رنگ ریز
رین : رات
رجھانا : خوش کرنا، ترغیب دینا
زرکمر : کمربند
زنبورے : لڑائی کے ہتھیار
سات : ساتھ، ساعت
سار : طرح، جیسا، سوار
سانگ : نیزہ، برچھی
سائیں : مالک، آقا
سٹ دینا : چھوڑ دینا
سراتا : تعریف کرنا
سُرج : سورج

سر جانا : ختم ہو جانا
سرس : زیادہ، رس دار
سرواں : سرو کی جمع
سروپ : خوبصورت، ہم شکل
سس پھول : سر کا زیور
سک، سکھ : سکھ
سکل، سگل : تمام
سکی : سہیلی
سمدر، سمدور : سمندر
سور : سورج
سوکا : کاجل
سوس : جذبہ، احساس
سوں : سے
سینے کا : سونے کا
سہیج : حقیقت میں
سی : علامت (مضارع مستقبل) واحد غائب اور مخاطب جیسے مرسی مرے
سیں : سے
سیتی : سے
صبا : صبح
صفادار : صفائی والا

صواب : ثواب
فام : فہم
کاں : کہاں
کتا : کتنا
کتے : کہتے ہیں۔ کتے
کنارا : قطار
کتے : کہتے ہیں
کچ : کچھ، پستان
کچہ : کچھ
کد : کبھی
کداں : کب
کدم : ایک قسم کی گھاس، ایک قسم کی خوشبو
کدن : طرف
کدھاں : کب
کدھن : طرف
کرتار : مالک، صانع
کسوت : لباس
کسے : کس کو
ککر : کہہ کر
کلانا : جھگڑا کرنا، لڑنا
کلاونت : ہنرمند، رقاص

کل بل، کل ول : بے چینی، ولولہ

کلیان : مبارک، نیک

کمیارا : کمہار

کَن : کان

کِن : کتنے

کنا : کہنا

کنتل : زلف

کوتک : کب تک

کوٹ : قلعہ

کوں : کو، کہوں

کونڈ : قید، بند

کھول کر : وضاحت کے ساتھ

کھونپا : خوشہ

کھڑک : تلوار

کھاتے : کھلاتے

کہئے : کہے

کہیا : کہا

کیتا : کرتا

کیرا : کا

کیں : کہیں

گج : ہاتھی

گج دلاں : ہاتھیوں کی فوج

گڑھ : قلعہ

گل : گلا، گردن

گلاں : گل کی جمع

گمبھیر : گہرا، سمندر

گمنا : خوش ہونا

گالاں : گال کی جمع

گھابرے : گھبرائے ہوئے، حیران

گھالنا : ڈالنا، بکھیرنا

گھانا : گہنا

لاب : فائدہ

لاک : لاکھ

لانا : لگانا

لبہ : ہونٹ

لبھانا : فریفتہ کرنا

لجا : لے جا

لک : لاکھ

لگ : تک

لنگار : زنجیر

لوچن : آنکھ

لہار : لہر

لہو : خون

لہوا : تلوار

لئی : زیادہ
لیانا : لانا
ماتا : شیدا
مارگ : راستہ
متا : مست
مج : مجھ
مجھار : درمیان
مد : شراب
مدن : محبوب
مستک : پیشانی
مشرو : مشروع، شرعی
مندھیر : مکان
من ہرن : دلربا
منے : میں
مینں : میں
مو : میرے
موکھ : مکھ
موں : منہ
مھوں : مینہ۔ بارش
میا : محبت
میانے : درمیان، میں
ناد : مانند
نار : عورت
نیٹ : بالکل
نت : ہمیشہ
نجھانا : غور سے دیکھنا
نچھل : شفاف

نرمل : پاک، صاف
نس : رات
نس نار : محبوبہ
نمن : طرح، مثل
نوا : نیا
نھاٹنا : بھاگنا
نھاسنا : فرار ہونا
نھلانا : نہلانا
سرنھانا : پورا غسل کرنا
نہوسی : نہ ہوگا
نیں : نہیں
نیر : پانی
نین : آنکھ
وضا : وضع
وو : وہ
ووچ : وہی
ہات : ہاتھ
ہاٹ : بازار
ہت : ہاتھ
ہتی : ہاتھی
ہمن : ہم، ہمارے
ہوں : میں
یکھت : یکدم
یکدھرتے : فوراً
یکتائیں : ایک ہی کے پاس
یکیک : ایک ایک
یو : یہ
یوچ : یہی

ڈاکٹر محمد علی اثر کی دیگر تصانیف کے بارے میں اردو کے ممتاز نقادوں کے تاثرات

غواصی شخصیت اور فن (تحقیق و تنقید) ۱۹۷۷ء (آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ)

پروفیسر خواجہ حمید الدین شاہد ایڈیٹر ماہنامہ "سب رس" کراچی

"محمد علی اثر نے دکنی شعر و ادب کے تاریک گوشوں کی چھان بین بڑی محنت اور انہماک سے کی ہے۔ غواصی کی شخصیت کو اس دور کے سماجی اور ادبی پس منظر میں متعین کرنے کے علاوہ "غواصی کے حالات زندگی" مثنویاں" تغزل اور قصائد و رباعیات قدیم اردو شاعری میں غواصی کا مقام اور انتخاب کلام کے ابواب بھی شامل کتاب ہیں فاضل مصنف نے تحقیق کے ساتھ ساتھ تنقید کا حق بھی بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ قدیم اردو اور دکنی ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے "غواصی شخصیت اور فن" کا مطالعہ نہ صرف سنگ میل ثابت ہوگا بلکہ اس سے بہت سے تاریک گوشے بھی اجاگر ہوں گے۔ قدیم اردو ادب سے واقفیت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ کار آمد ہی نہیں ناگزیر بھی ہے"۔ (سب رس" کراچی" جولائی ۱۹۷۸ء)

ملاقات (شعری مجموعہ) ۱۹۸۰ء (مغربی بنگال اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ) ڈاکٹر یوسف سرمست" پروفیسر و صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی۔

"حیدرآباد کے ہونہار شاعروں میں محمد علی اثر امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ اثر صاحب نوجوان نسل کے ان شعراء میں سے ہیں جن کے لئے صرف شاعری ہی ذریعۂ عزت نہیں ہے۔ وہ اردو کے اچھے اسکالر و استاد بھی ہیں۔ اثر کے مجموعہ کلام کو سرسری طور پر بھی دیکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اردو شاعری کی روایات کی پاسداری کے باوجود عصری حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ اثر کی شاعری میں نئی لفظیات

کا شاعرانہ استعمال، نئی تراکیب اور نئے استعارے بھی ملتے ہیں، لیکن اس کے باوجود نہ تو شعر بعید از فہم ہوتا ہے اور نہ تو جدّت کی وجہ سے جدیدیت زدہ نظر آتا ہے"

شمع جلتی رہے (رپور تاژ) ۱۹۸۰ء

ڈاکٹر مغنی تبسم پروفیسر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی

محمد علی اثر نے اس رپورتاژ میں کانفرنس کی اصل روداد کو بھرپور طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ یہ روداد بے جان اور خشک رپورٹ بن کر نہ رہ جائے چنانچہ اس رپورتاژ کا مطالعہ کرتے ہوئے سیمینار کے

اجلاسوں کی جیتی جاگتی تصویر نظروں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔"

دلبستان گولکنڈہ ۔ ادب اور کلچر (مرتبہ) ۱۹۸۱ء بہار اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ

پروفیسر غلام عمر خاں سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی و آندھرا پردیش اوپن یونیورسٹی

"ڈاکٹر محمد علی اثر نے مختلف کتابوں اور رسالوں سے دلبستان گولکنڈہ کے موضوع پر ضروری مواد کو منتخب اور مرتب کر کے پیش نظر کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔ یہ کتاب تاریخ و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور خصوصی طور پر قدیم زبان و ادب کے طلبا اور محققین کے لئے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

دکنی اور دکنیات وضاحتی کتابیات (مدراس یونی ورسٹی کے ایم۔فل کے نصاب میں پہلی بار شامل) ۱۹۸۲ء (آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ) دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، استاد شعبہ اردو پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور۔

"ڈاکٹر محمد علی اثر نے "دکنی اور دکنیات" کے نام سے اس عظیم الشان ذخیرہ کتب کی ایک وضاحتی فہرست تیار کی ہے جو اپنے موضوع پر پہلا قابل قدر جامع کام ہے۔ اس کتاب کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر کتاب کے کتابیاتی کوائف (مصنف، ناشر، سنہ اشاعت، مطبع، قیمت، سائز، صفحات، تعداد اشاعت) درج کرنے کے علاوہ مختصراً کتاب کا مجموعی تعارف کرایا

گیا ہے اور کتاب کے مباحث، ابواب یا عناوین مضامین کی صراحت بھی کردی گئی ہے۔ یہ ایک جامع اور وقیع کتابیات ہے جس کی ترتیب میں مرتب نے غیر معمولی کاوش، محنت اور حسن ترتیب سے کام لیا ہے۔ ریسرچ اسکالروں کے لئے یہ کتابیات نہایت مفید ہے۔ ڈاکٹر محمد علی اثر اس علمی خدمت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

دکنی غزل کی نشوونما (تحقیق وتنقید) ۱۹۸۶ء (آندھرا پردیش اردو اکیڈمی، بہار اردو اکیڈمی، مغربی بنگال اردو اکیڈمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ)

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید صدر شعبہ اردو

سری وینکٹیشورا یونی ورسٹی ترو پتی

"ڈاکٹر محمد علی اثر جامعہ عثمانیہ کی نئی نسل میں دکنیات سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کی غیر معمولی محنت اور لگن کے باعث دکنی ادب کے نئے نئے گوشے روشن ہو رہے ہیں۔ "دکنی غزل کی نشوونما" ڈاکٹر اثر کی معرکتہ الارا کتاب ہے۔

"ڈاکٹر اثر نے نہ صرف یہ کہ دکنی غزل کی نشوونما، اس کے مختلف پہلوؤں اور گوناگوں خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے بلکہ بیشتر غزلیں جو تا حال ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں انہیں خوبی کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ محمد علی اثر نے دیانت داری کے ساتھ تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔

○ "دکنی غزل کی نشوونما" کی حیثیت چراغ رہ گذر کی سی ہے، جس سے ہمارے علم ہی میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ تحقیق کی نئی راہیں بھی کھلتی ہیں۔"

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی

○ "آپ کی کتاب "دکنی غزل کی نشوونما" تاریخ کا حصہ ہے۔ جی خوش ہو گیا۔

ڈاکٹر جمیل جالبی

○ "دکنی غزل کی نشوونما" آپ کا عالمانہ کارنامہ ہے"

پروفیسر گیان چند جین

○ دکنی غزل کے مطالعہ کے بغیر دکنی شاعری کی شناخت ادھوری اور نامکمل رہے گی۔

پروفیسر مغنی تبسم

○ "ڈاکٹر محمد علی اثر نے مختلف بیاضوں کے مخطوطات کو کھنگالا ہے اور بڑی دیدہ ریزی اور عرق ریزی کے بعد بہت سی نئی غزلیں دریافت کی ہیں۔ ان دریافت شدہ غزلوں کی روشنی میں دکنی غزل کی خصوصیات اور منفرد رنگ و آہنگ کی نشاندہی کی گئی ہے جو ہر لحاظ سے وقیع اور معتبر ہے"

دکنی کی تین مثنویاں : ۱۹۸۷ء

ڈاکٹر جاوید وششٹ

"ڈاکٹر محمد علی اثر ماہر دکنیات کی حیثیت سے اردو ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنا چکے ہیں۔ وہ بڑی خاموشی اور مستعدی سے تحقیق کے کٹھن مرحلے طے کرتے ہیں۔ "دکنی کی تین مثنویاں" انکی تحقیقی صلاحیتوں کا ایک اور محکم ثبوت ہے۔

پروفیسر یوسف سرمست
صدر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

○ "دکنی کی تین مثنویاں" موصول ہوئی۔ اس عنایت کے لیے شکر گذار ہوں۔ اس دور میں جم کر کام کرنے والے انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں اور آپ کا نام اس مختصر فہرست میں سر فہرست ہے"

ڈاکٹر جمیل جالبی
صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

○ "دکنی کی تین مثنویاں" آپ کا ایک وقیع تحقیقی کام ہے۔ یہ کام انجام دے کر آپ نے اردو والوں کی طرف سے بالعموم اور اہل دکن کی طرف سے بالخصوص فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی
صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی

مصنف کے بارے میں

نام : محمد علی اثر

والد کا نام : حکیم شیخ محبوب

پیدائش : ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۹ء

سکونت : "کاشانۂ اثر" 9/226-4-20، چوک، حیدرآباد-۲

قابلیت : ایم۔اے (گولڈ میڈلسٹ)۔ پی ایچ۔ ڈی۔ مخطوطات شناسی کا پوسٹ ایم۔اے ڈپلوما۔

ملازمت : ریڈر شعبہ اردو عثمانیہ یونی ورسٹی۔ حیدرآباد

تصانیف :

(۱) "غواصی شخصیت اور فن" ۱۹۷۷ء آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ۔

(۲) "ملاقات" (شعری مجموعہ) ۱۹۸۰ء مغربی بنگال اردو اکیڈمی اور آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ

(۳) "شمع جلتی رہے" (ریڈیائی تاثر) ۱۹۸۰ء بہار اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ

(۴) "دبستان گولکنڈہ۔ ادب اور کلچر" ۱۹۸۱ء اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ

(۵) دکنی و دکنیات ۱۹۸۲ء آندھرا پردیش اردو اکیڈمی سے انعام یافتہ مدراس یونی ورسٹی کے ایم۔فل کے نصاب میں شامل۔

پاکستانی ایڈیشن ۱۹۸۶ء مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

(۶) "تذکرہ مخطوطات ادارہ ادبیات اردو (جلد ششم) ۱۹۸۳ء بہ اشتراک محمد اکبر الدین صدیقی

(۷) دکنی غزل کی نشوونما۔ ۱۹۸۶ء اترپردیش، بہار، مغربی بنگال اور آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی سے انعام یافتہ
مدراس یونی ورسٹی کے ایم۔ فل کے نصاب میں شامل۔

(۸) "کلیات ایمان" ۱۹۸۷ء (مرتبہ سیدہ ہاشمی ترمیم و اضافہ محمد علی اثر)

(۹) دکنی کی تین مثنویاں ۱۹۸۷ء مدراس یونی ورسٹی کے ایم۔ فل کے نصاب میں شامل۔

(۱۰) نظیر شناسی ۱۹۸۷ء (بہ اشتراک ڈاکٹر اکبر علی بیگ)

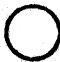
(۱۱) دکنی شاعری۔ تحقیق و تنقید ۱۹۸۸ء فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ کے مالی تعاون سے شائع۔

(۱۲) دیوان قدوی (تحقیق و تدوین) زیر طبع

(۱۳) شعری مجموعہ (") "

(۱۴) دبستان بیجاپور (مرتبہ) زیر ترتیب

(۱۵) دکنی ادب کی مختصر تاریخ "



تصحیحات

صفحہ/سطر- غلط/صحیح ۲/۳۵ فاکز/فاکنز ۳۷/۲۲ مہدالنسا/مہرالنسا ۳۷/۲۳ ڈاکٹر صدیقی

ڈاکٹر رفیعہ صدیقی ۲۲/۳۹ وریٹل/سنٹرل ۴۰/۱ فہرست/فہرستیں ۴/۸ ۱۶/۴۸ نایابات/تایابت

۲/۴۹ حقص/حفص ۲/۵۰ سوکہ/سوکھ ۶/۵۰ ہرکیا تار/ہر ایک تار ۷/۵۰ کودن/کے دن۔

۱۸/۵۰ اگوں/کوں ۱۵/۵۰ سرگرانگی/سرگردانگی ۱۶/۵۲ لگی/لئی ۴/۵۳ ہے/رہے

۵/۵۳ گنبھر/گبھیر ۱۰/۵۳ سے/سد ۱۳/۵۳ لے/لگا ۵۵/ ایپیچ/پیچ ۶/۵۵

ہلکا کیا/ہلکا سیا ۱۸/۵۵ لوچپب/ریچپب ۳/۵۷ عشقبازاں/عشقبازاں ۴/۵۷

تعمیاں/نعمیاں ۱۸/۵۷ اکسی/کس ۱۴/۵۸ سوال/سوں ل ۱۹/۵۸ سو/سوں

۴/۵۹ سلایا/بلایا ۶/۵۹ بسں/بسیں ۷/۵۹ مرے ایسے/مری اے ۲۰/۵۹

الکھایا/الجھایا، ساتھ/ہاتھ ۱۶/۶۰ پہنچی/پینچی ۷/۶۱ نیال/خیال ۲/۶۵ صیفل/صیقل ۱/۶۶

رنے/رہنے ۵/۶۶ سپنرٹی/سپنٹرسی ۷/۶۶ شرشہ/شرشہ ۵/۶۸ انگرزی/انگیزی ۷/۷۰

جانے/جالے ۱۳/۷۰ استقارات/استعارات ۱۸/۷۱ پر/مذہب پر ۴/۷۲ ہمعر/ہمعصر

۸/۷۵ قطب/محمد قطب ۳/۷۶ دجہی/دجہی ۱۴/۸۰ سولے/سمے ۴/۸۱ باڑی/بازی

۵/۸۱ ودو پنج توں/ودو پنچ توں ۷/۸۱ مدم/قدم ۱/۸۵ ۱۹۲/۱۶۲۰ ۹/۸۷ غالب/غالب

۷/۸۷ بچن کی آواز/بچن آواز ۱/۸۸ اکول/کوں ۳/۸۸ یو/ہو ۵/۸۹ مجھ/رجھ

۱۲/۱۰۱ مرتبہ/مرثیہ ۵/۱۰۳ نخش بخش ۶/۱۰۶ غمناک/نمناک ۱۳/۱۰۶ بعنی/یعنی

۱۵/۱۰۶ کوہ/کو ۸/۱۰۸ گلبدان/گلبدن ۹/۱۰۹ ہار/تدہاں ۴/۱۱۳ لبن/بن ۸/۱۱۱

عال/حال ۱۴/۱۱۸ بدجہ الم/بدرجہ اتم ۲/۱۱۹ سمیٹ/سمیٹ ۲۳/۱۱۹ محبوب/محبوب

۱۴/۱۲۷ سوے/پھوے ۸/۱۳۳ گوئی/گوتی ۱۹/۱۳۳ پچس/بچیس ۲۱/۱۳۳ ہارا غم/ہاراں

جلا غم ۱۰/۱۳۴ سوچا/سوجا

DEKHANI SHAIRY

TEHQEEQ -O- TANQEED



Dr. Mohd. Ali Asar